طلوع اسلام

JANUARY-1940

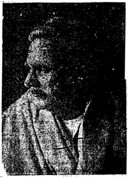

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیاتِ اجتماعیہ کا ماہوار مجلّہ

طلوعِ اسلام

دہلی

(دورِ جدید)

مُرتّب

محمد ظہیر الدین صدیقی۔ بی ایس سی

بدل اشتراک

پانچ روپیہ سالانہ

ششماہی !

فی پرچہ ۸ ر

تین روپے

جلد (۳) شمارہ (۱) ذیقعدہ سنہ ۱۳۵۸ھ مطابق جنوری سنہ ۱۹۴۰

فہرست مضامین

۱۔ آئینِ جوانمردی	حضرت علامہ اقبالؒ	۱
۲۔ لمعات	ادارہ	۲ - ۸
۳ تمسک بالکتاب	چودہری غلام احمد صاحب پرویز	۹ - ۲۷
۴۔ بے جان زندگی	محمد اسد خاں صاحب اسد ملتانی	۲۸
۵ یوم نجات	ادارہ	۲۹ - ۴۰
۶ نیشنلسٹ علماء	ایک مسلمان	۴۱ - ۶۰
۷ اسلامی تمدن اور سیاست حاضرہ	میاں محمد رفیق صاحب بی اے	۶۱ - ۷۲
۸ حقائق و عبر	ادارہ	۷۳ - ۷۹
۹ نقد و نظر	محمد اقبال صاحب	۸۰

آئینِ جوانمردی

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی   کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

عطّار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو   کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ   کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھّی   جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ   ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اقبال

لمعات

دُنیا میں کوئی قوم کسی معاملہ میں کامیابی نہیں حاصل کر سکتی جب تک اِس قوم کے ہر فرد کے دل میں اپنے مقصد کی پاکیزگی، مسلک کی حقانیت اور نصب العین کی صداقت، ایمان کے درجہ تک نہ پہنچ چکی ہو کہ :-

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

جب افراد کے لئے یقین و ثبات کی ایسی کڑی شرط ضروری ہے تو اس قوم کے ارباب بست و کشاد کے ایقان و ایمان کو کس قدر محکم اور بلند ہونا چاہیئے۔ بالکل واضح ہے یقینِ محکم کے اندر وہ لرزہ انگیز قوت پنہاں ہے کہ جس سے ارادوں میں بلندی، نگاہوں میں فراخی، قلب میں وسعت۔ خون میں ایک نئی حرارت، اور بازوؤں میں وہ فولادی رُوح پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کے سامنے بڑی سے بڑی مشکل آسان اور سخت سے سخت مصیبت ہیچ نظر آتی ہے۔

جب اِس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ رُوح الامیں پیدا

جب انسان کا دل ایمان کی ملکوتی قوتوں سے لبریز ہو جائے تو اس میں خوف و حزن کا کہیں نشان باقی نہیں رہ سکتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں بارگاہِ ایزدی سے لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون کی اعلیٰ ترین سند عطا ہوتی ہے۔ اور یہی ہیں جو انتم الاعلون کے تختِ جلال پر جلوہ ریز ہوتے ہیں۔

مومنے بالائے ہر بالا ترے غیرتِ او برنتابد ہمسرے

جرأت و مردانگی انکا مسلک اور حق گوئی و بیباکی انکا مشرب ہوتا ہے جو دل میں ہوتا ہے، وہی زبان پر آتا ہے۔ جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں، جنکے دشمن ہیں کھلے کھلے دشمن ہیں جس کے دوست ہیں علانیہ

دوست ہیں، نہ دشمنی کسی ذاتی جذبہ کے ماتحت ہے، نہ دوستی کسی اپنی غرض کے لیئے۔ دشمنی اور دوستی دونوں اس بلند نصب العین کے لیئے ہیں جس کی صداقت انکا ایمان، اور جس کا حصول اُن کی زندگی کا منتہیٰ ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑا لالچ انکے طرۂ استغنا میں خمیدگی، اور نہ سخت سے سخت خطرہ انکے پائے استقلال میں لغزش پیدا کر سکتا ہے۔ یہ ہیں وہ زعمائے ملت جنکے ہاتھوں قوم کی تقدیر بنتی ہے۔

اس کے برعکس ایک دوسری قسم کے لوگ ہوتے ہیں جنھیں نہ اپنے نصب العین کی صداقت پر یقین اور نہ اسکے حصول کے لیئے دل میں کوئی تڑپ ہوتی ہے، چند ذاتی اغراض اُنکے پیشِ نظر ہوتے ہیں۔ جن کی خاطر انہیں رنگ رنگ کے پردے، اور قسم قسم کے نقاب اوڑھنے پڑتے ہیں، وہ کسی خاص تحریک یا مقاصد کے ساتھ بظاہر وابستہ داماں ہوتے ہیں۔ اسلیئے نہیں کہ اس تحریک یا مقصد سے انہیں کوئی عشق ہوتا ہے، بلکہ اسلیئے کہ تقاضائے مصلحت ایسا کرنے پر انہیں مجبور کرتا ہے، اُن میں نہ اتنی جرأت ہوتی ہے کہ علانیہ اس سے علیحدگی اختیار کرلیں اور نہ ایسا ایمان کہ دل سے اسکے ساتھ ہو جائیں، ہر ایسے موقعہ پر جہاں ایمان و عدمِ یقین کی کھلی کھلی آزمائش ہوتی ہے، اُن کی عقلِ حیلہ جو ایسے ایسے بہانے تراش دیتی ہے کہ جس سے وہ منتظر کر سامنے نہ آسکیں۔

یہ ہیں وہ لوگ جو غارتگرِ تقدیرِ ملت ہوتے ہیں!

مسلمان موت و حیات کی جس نازک کش مکش میں آج گرفتار ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ایسے وقت میں ضرورت تھی کہ اُن کی تقدیر صرف پہلی قسم کے اربابِ ایمان و یقین کے ہاتھوں میں ہوتی اور جسدِ ملت اس دوسری قسم کے ناسوروں سے پاک ہوتا لیکن وا اسفا! کہ حالت اس سے مختلف ہے، نزاکت وقت کا تقاضا ہے کہ ہم حقائق کا بے نقاب مشاہدہ کریں۔ اور اگر ہمارے بس میں ہو تو ان رستے ہوئے ناسوروں کا کوئی علاج سوچ لیں۔ ورنہ واقعات سے چشم پوشی کر لینے سے فطرت اپنے مواخذہ سے نہیں چھوڑ دے گی۔ ہم جانتے ہیں کہ اس حقیقت کا بیان بڑا تلخ ہے اور بہت سی پیشانیاں ایسی ہوں گی جو اس سے شکن آلود ہو جائیں گی۔ لیکن اللہ کا احسان ہے کہ ہم نے آج تک

نہ کسی کی حمایت کسی ذاتی جذبہ کے ماتحت کی ہے اور نہ کسی کی مخالفت للہیّت کے سوا کسی اور رجحان قلبی کے ماتحت، حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت ہمارا شیوہ ہے اور اس میں اپنے اور پرائے کا امتیاز ہمارے نزدیک بدترین گناہ اور انتہائی لعنت کا مستوجب۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق !   نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش   میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند !
مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش   خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند !

مسلمان برطانوی حکومت کے ہاتھوں زخم خوردہ تھا اور انتہائی مظالم کا شکار ۔ ۱۹۳۵ء میں اختیارات کا بہت سا حصہ انگریز کے ہاتھ سے ہندوستانیوں کے ہاتھ میں منتقل ہوا اور جن صوبوں میں ہندو اکثریت تھی وہاں کانگریسی حکومتیں قایم ہوگئیں۔ سندھ اور سرحد میں خود مسلمانوں کی غداری سے ہندو برسر اقتدار آگیا۔ آسام میں حالت غیر متیقین سی رہی، رہے کے بنگال اور پنجاب دو صوبے ایسے تھے جن میں زمام اختیار مسلمانوں کے ہاتھ میں آئی۔ دونوں صوبوں میں وزارت عظمٰے کا قلمدان ایسے پیشرو ہوا جنہوں نے اپنے آپ کو مسلم لیگ سے متمسک ظاہر کیا تھا اب ذرا شروع سے اخیر تک ان دونوں صوبوں کے کوائف واحوال پر غور کیجیے۔ نتائج خود بخود سامنے آجائیں گے، جہاں تک تشکیلِ وزارت کا تعلق ہے، دونوں جگہ یکساں مصیبتوں کا سامنا ہے۔ جناب مولوی فضل الحق صاحب کو بھی اسی طرح ہندؤں کو ساتھ ملا کر اپنی اکثریت قائم کرنی پڑی جس طرح سر سکندر حیات خاں صاحب کو۔ اس لحاظ سے گویا ؎

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں !
لیکن قوتِ ایمانی کا تفاوت ہے کہ جس سے ہر دیکھنے والے نے دیکھ لیا کہ:۔
کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

ایک کی یہ حالت ہے کہ وہ پہلے دن سے ایک مسلمان کی حیثیت سے سامنے آیا ہے اور ہر موقعہ اور

ہر تقریب پر اپنے مسلمان اور خالص مسلمان ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ وہ اس امر کے اعتراف میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا کہ وہ اسلام کا سچا شیدائی ہے وہ اس حقیقت کے اعلان پر کبھی اپنے دل میں جھجک نہیں پاتا کہ وہ اوّل بھی مسلمان ہے اور آخر بھی مسلمان۔ وقت کی مصلحتیں اُس کی حق گوئی میں کبھی گلوگیر نہیں ہوتیں، نفسِ حیلہ جو کی فریب کاریاں اسے کبھی مردانہ وار میدان میں آنے سے نہیں روکتیں ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی ! اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

وہ مسلم لیگ سے تمسک ہے تو ایک جانباز سپاہی کی طرح اسکے قائد اعظم کے "ہر حکم" کی تعمیل اپنا فریضہ سمجھتا ہے۔ اسے اختلاف بھی ہوتا ہے لیکن اسے اختلاف کو مجلسِ مشاورت کی بحث و تمحیص تک محدود رکھتا ہے، اور جب آئین و دستور کے مطابق کسی امر کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو وہ فیصلہ خود اس کی رائے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی پابندی اپنے اوپر لازم قرار دے لیتا ہے، اور اس اطاعت میں پوری سرفرازی محسوس کرتا ہے۔

یہ ہے ایک مردِ حق پرست کا شیوۂ مردانگی اور مسلک تسلیم و رضا جس کا ثبوت بنگال کے وزیر اعظم نے اپنے دورِ اختیار کی زندگی کے ایک ایک قدم پر بہم پہنچایا ہے، وذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

اسکے برعکس جب ہم پنجاب کی طرف آتے ہیں تو ندامت سے ہماری نگاہیں زمین میں گڑ جاتی ہیں وہ پنجاب جسے ہندوستان کی ریڑھ کی ہڈی قرار دیا جاتا ہے، اور جو ہندوستان کے مسلمانوں کے مستقبل کی اُمیدوں کا مرکز و محور سمجھا جاتا ہے، اس پنجاب کی یہ حالت ہے کہ آج تک حسرت ہی رہی کہ وہاں کی وزارتِ عظمیٰ کے قصرِ فلک بوس سے کبھی یہ آواز آجائے کہ :

ہاں بسننے والے سُن لیں کہ میں مسلمان ہوں اور اپنے مسلمان ہونے پر مجھے ناز ہے میں لیگ کے مسلک کا حامی ہوں اور اس مسلک پر مجھے فخر ہے۔

حالت یہ ہے کہ یہ صاحب خیر سے لیگ کی کونسل کے رُکن ہیں۔ لیگ کا جلسہ پٹنہ میں ہو یا ببمئی میں کلکتہ میں ہو یا لکھنؤ میں وہاں ضرور پہنچتے ہیں، اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے۔ کلیجہ پر ہاتھ رکھے۔ ایسی اثر

وجذب میں ڈوبی ہوئی تقریر کرتے ہیں کہ گویا ساری لیگ کا درد انہی کے دل میں ہے۔ لیکن جونہی یہ اپنے "وزیرستان" میں پہنچے، انھوں نے کلاہ لیگ کو اتار کر کھونٹی پر لٹکا دیا، اور لیگ کے متعلق ایسی بہکی بہکی باتیں شروع کر دیں کہ جس سے ثابت ہو کہ معاذ اللہ! بھلا لیگ سے انہیں کیا واسطہ ہو سکتا ہے! یہ ہیں آپ کے وہ بطلِ حریت جنہیں آپ نے ابھی ابھی لیگ کے جلسہ میں چشم پرنم اور آہ بر لب دیکھا تھا ؎

زلف آوارہ۔ گریباں چاک۔ او مستِ شباب
تیری صورت سے تجھے دردآشنا سمجھا تھا میں

یہی نہیں، بلکہ جب کبھی ایسا موقعہ آئے کہ انہیں نکھر کر سامنے آنا پڑے تو ہمیشہ کسی نہ کسی انداز سے دامن بچا کر نکل جائیں گے۔ شملہ میں مسٹر جناح کا ایک یادگار جلوس نکالا گیا (اسکا ذکر طلوعِ اسلام میں آ چکا ہے) جناب وزیر اعظم صاحب وہاں موجود تھے، اور شملہ حکومت پنجاب کا گرمائی دارالسلطنت تھا لیکن مسٹر جناح کی آمد سے دو ہی روز قبل جناب وزیر اعظم صاحب دورہ پر تشریف لے گئے۔ اب ۲۲ دسمبر کو "یوم نجات" منانا تھا، لاہور میں اسکے لیے زبردست تیاریاں ہو رہی تھیں۔ عین ایک دن پہلے آپ ایسے غوطہ زن ہوئے کہ بمبئی جا کر سر نکالا۔ فرمائیے کہ :-

یہ سب سے منہ چھپانا کوئی اچھی زندگانی ہے!
خضر! تم نے تو غارت کر کے عمرِ جاوداں رکھ دی

پھر اسی پر اکتفا نہیں۔ بلکہ حالت یہ ہے کہ لیگ کا کچھ فیصلہ ہو۔ یہ ہمیشہ اپنا راگ الگ الاپینگے۔ کوئی معاملہ سامنے آئے کبھی انتظار نہیں کرینگے کہ دیکھیں لیگ کیا فیصلہ کرتی ہے اور صدرِ لیگ کا کیا ارشاد ہے! لیگ کے سامنے متبادل دستور کی بہت سی اسکیمیں موجود ہیں لیکن یہ اپنی اسکیم الگ ہی شائع کرینگے۔ مسٹر جناح کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کی مخالفت کرتے ہیں اور مسلمانوں کی شکایات کی تحقیقات کے لیے ایک رائل کمیشن کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور یہ صاحب ایک نئی تجویز پیش کر دیتے ہیں کہ "چھوڑو جو کچھ ہوا سو ہوا۔ دو چار آدمی ادھر سے، اور دو چار ادھر سے اکٹھے کر لو اور معاملہ سلجھا لو"۔ غرضیکہ ہر موقعہ پر انہیں یہی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح میری وزارت کی خیر رہے۔

فرمایئے! اگر جس قوم کی کشتی کے ناخدا ایسے لوگ ہوں وہ اپنی شکست و ریخت میں کسی غیر کے ہاتھوں کی محتاج کیوں ہوگی۔ ہم جناب سر سکندر حیات خاں صاحب کی خدمت میں ایک مسلمان کی حیثیت سے گزارش کریںگے کہ وہ ایک مرتبہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر اپنے مسلک کے متعلق فیصلہ کر لیں۔ اور جو کچھ فیصلہ ہو اسپر علانیہ عمل پیرا ہو جائیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ کونسا جذبہ انہیں لیگ سے علانیہ تبری و بیزاری کی اجازت نہیں دیتا لیکن ہم ان کی بہبود کی خاطر یہ عرض کرتے ہیں کہ اب وہ وقت گزر چکا جب اس قسم کی دورخی چالوں سے قوم کی ہر دلعزیزی حاصل کی جاسکتی تھی۔ اب قوم میں بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ اور اس بیداری کا تقاضا ہے کہ کفر ہو، یا ایمان۔ بالکل کھلا کھلا اور بے نقاب ہو، اب وہ وقت نہیں رہا کہ ؎

دینا وہ اس کا ساغرِ مے یاد ہے نظام
منہ موڑ کر اُدھر کو۔ اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

ہمیں اس سے انتہائی قلق ہوگا اگر جناب سر سکندر حیات خاں صاحب لیگ سے کنارہ کش ہو جائیں۔ لیکن وہ اس صدمہ سے کہیں کم ہوگا جو ان کی موجودہ روش سے ہو رہا ہے کہ جس میں

کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کدھر دیکھیں گے!

ہم اس تلخ نوائی پر اپنے بعض مخلص بہی خواہاں سے معذرت طلب ہیں لیکن اس حقیقت کو پھر دُہراتے ہیں کہ جب تک حقائق کا مردانہ وار مقابلہ نہ کیا جائے گا ؎

تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

یہ الم انگیز داستان تشنۂ تکمیل رہ جائے گی اگر ہم اس افسوسناک روش کا ذکر نہ کریں۔ جو مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی نے "یوم نجات" کی تحریک کے سلسلہ میں اختیار کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ لوگ جنہیں اپنے آپ پر اتنا بھی ضبط نہیں ہے کہ اپنے ذاتی اختلاف کو نظام کے ماتحت

رکھ سکیں، وہ قوم کی نمائندگی کے میدان میں آگے بڑھ آنے کی کس طرح جرأت کر سکتے ہیں۔ ہمیں افسوس مسٹر صدیقی کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت پر نہیں، بلکہ افسوس اس بات پر ہے کہ قوم کے پاس ابھی وہ قوت نہیں ہے کہ جس سے ایسی حرکات کا اس طرح سدِ باب کرے کہ آئندہ کسی کو اس قسم کی جرأت نہ ہو۔

اشاعتِ حاضرہ میں "یوم نجات" کے عنوان پر ایک مضمون آپ کی نظر سے گزرے گا۔ یوم نجات سے چار روز پیشتر اس مضمون کو پمفلٹ کی شکل میں شائع کر کے سینکڑوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا گیا۔ اور اس امر کا اہتمام کیا گیا کہ تمام ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی مسلم لیگ کی شاخوں تک اُسے پہنچا دیا جائے۔ بیرونی مقامات سے تو ابھی اطلاعات موصول نہیں ہوئیں لیکن دہلی میں اس پمفلٹ کو جو مقبولیت نصیب ہوئی اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ نماز جمعہ سے پہلے ہی دفتر میں تمام نسخے ختم ہوگئے۔ ہمیں مضمون کے مطالعہ کے بعد آپ ہم سے یقیناً متفق ہوں گے کہ اس کی عام اشاعت کی کس قدر ضرورت تھی۔

اتاترک غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی مکمل سوانح حیات

مشرقی ترکی کے علمبردار حریت جس کی شمشیر خارا شگاف نے یورپ کے ایوانوں میں بارہا زلزلہ پیدا کر دیا تھا، اپنے دو سو صفحات پر چھپ کر تیار ہوگئی ہے جس کے پڑھنے کے بعد قلب اسلامی جوش اور اسلامی ولولوں سے معمور ہو جاتا ہے۔ اس مجاہد حریت کے بچپن سے لے کر تعلیم، فوجی تربیت، [illegible] یونانیوں سے محاربات۔ ترکوں کی شاندار فتح کے واقعات سلیس [illegible] جنگ عظیم میں ترکوں کی شجاعت و بہادری کے سچے مرقعے اگر دیکھنا ہوں تو سوانح حیات اتاترک غازی مصطفےٰ کمال پاشا میں دیکھئے۔ اصلی قیمت [illegible] رعایتی [illegible] محصول بذمہ خریدار

غازی عصمت انونو پاشا موجودہ صدر ترکیہ جمہوریہ کے دلچسپ حالات زندگی اور جنگ عظیم میں حیرت انگیز کارنامے اور شاندار فتوحات ناولی رنگ میں پونے دو سو صفحات پر چھپ کر تیار ہوگئے۔ قیمت رعایتی [illegible]

باغ نوجوانی / ارمغان شباب [illegible]

[illegible] معرکہ سلطان صلاح الدین [illegible] اندلس [illegible] تاریخ انقلاب [illegible]

ہر قسم کی کتابیں [illegible] منیجر شاہی کتب خانہ رجسٹرڈ دہلی [illegible]

تمسک بالکتاب

از

جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز بی اے

بلا کی کالی رات تھی۔ سامنے پہاڑ کی بلندی سے دو آدمی نیچے اتر رہے تھے۔ ایک کے پاس روشنی تھی اور انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ دوسرے شخص کو راستہ دکھانے کی غرض سے ساتھ ہے، دوسرے آدمی نے کہا بھائی! روشنی میرے آگے آگے رکھو۔ تاکہ راستہ روشن ہو۔ میرے پیچھے رکھنے سے تو الٹا خود میرے ہی سایہ سے راستہ تاریک تر ہوتا چلا جا رہا ہے"۔ پگ ڈنڈی بل کھاتی ہوئی جا رہی تھی تھوڑی دیر میں وہ دونوں نظر سے اوجھل ہو گئے پھر وہی تاریکی اور وہی سناٹا تھا لیکن اس جانے والے کا فقرہ ابھی تک میرے دماغ میں گونج رہا تھا میں نے سوچا کہ فی الحقیقت روشنی کا مقصد یہی ہے کہ وہ تاریکیوں کے پردوں کو چاک کرتی چلی جائے۔ لیکن یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ روشنی کو اسکے صحیح محل پر رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جب دنیا میں اس قوم کو بھیجا۔ جسکے متعلق خود فرمایا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ — تم بہترین قوم ہو جو نوع انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے!

تو اُن کو ہلاکت و تباہی کے عمیق غاروں سے بچانے کے لیے ایک مشعلِ ہدایت' ایک سراج منیر' ایک نورِ مبین عطا فرمایا کہ وہ اسکو اپنے جادۂ حیات میں پیش پیش رکھیں، اپنے شاہراہِ عمل کا خضرِ طریقت بنائیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں جو قدم بھی اٹھائیں اُس کی روشنی میں اٹھائیں تاکہ وہ راستہ کی پُرخطر و مہیب گھاٹیوں سے مامون و مصئون منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ — اور تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی) ایک کتاب

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ — مبین آئی ہے اسکے ذریعے سے اللہ ایسے شخص کو جو

سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہ بتلاتے ہیں اور
بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ انکو اپنے حکم سے ظلمت سے نکالکر نور کی طرف لاتے ہیں اور انکو
(۱۶۔ ۱۵ : ۵) راہِ راست کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔

لیکن اس روشنی کو اگر وہ بجائے سامنے رکھنے کہ جس سے انکا راستہ روشن ہو جائے، اپنے پیچھے اٹھا رکھیں تو ظاہر ہے کہ قطع شدہ منزل تو ضرور درخشندہ و تابناک نظر آئے گی لیکن سامنے کا راستہ پہلے سے بھی زیادہ تاریک ہو جائیگا، اسلیئے کہ تنہا عقل کی دھندلی سی روشنی میں عام طور پر جس قدر راستہ نظر آسکتا ہے۔ وہ بھی انکے اپنے سائے سے ظلمت ناک ہو جائیگا۔ غالباً یہی مطلب اس آیت مقدسہ کا ہے کہ جس میں یہودیوں پر الزام دھرا گیا ہے، کہ انھوں نے کتاب کو پیٹھ کے پیچھے رکھ چھوڑا تھا کہ انکا ماضی تو درخشندہ رہے لیکن مستقبل خوفناک طور پر تاریک۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اور جب ان کے پاس منجانب اللہ وہ رسول آیا
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ	جو تصدیق کرتا ہے اس کی جو انکے پاس ہے تو
مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ	اہل کتاب کے ایک فریق نے خود کتاب اللہ کو
وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ	ہی پیٹھ پیچھے ڈالدیا، گویا کہ ان کو کچھ علم ہی
(۲ : ۱۰۱)	نہیں۔

یہود کا کیا جرم تھا، یہی کہ جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اس مقدس روشنی کو اپنا نصب العین حیات بناؤ جس سے تمہارا حال و مستقبل روشن ہو جائے تمھیں تمیز ہو جائے کہ صحیح راستہ کون سا ہے، اور تمہاری کورانہ تقلید نے تمھیں کس راستے پر ڈال رکھا ہے، تو انھوں نے اس روشنی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور کہہ دیا کہ جس ڈگر پر ہمارے آباد و اجداد چلتے آئے ہیں وہی صراطِ مستقیم ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو نازل کیا ہے
قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ	اسکا اتباع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی طریق پر چلیں گے
اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا	جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اگرچہ انکے باپ دادا

وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ ﴿۱۷۰﴾ ۔ نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت۔

یہی چیز ہے جسے اِس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر سے تعبیر کیا ہے ۔

"جو شخص کفر کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کے مانند ہے جو ایسے (جانور) کے پیچھے چلا جا رہا ہو جو بجز بلانے اور پکارنے کے اور کسی بات کو نہیں سمجھ سکتا (اسی طرح یہ لوگ بھی) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں اور نہیں سمجھتے" ۲:۱۷۱

کفر و ناسپاسی اسی بات کا نام ہے کہ جو چیز جس مصرف کے لیے دی گئی ہے اس سے وہ فائدہ نہ اُٹھایا جائے بلکہ اسے اپنے لائحۂ زندگی میں اپنے رجحانات قلبی اور فیصلۂ ذہنی کے مطابق جگہ دی جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کا صحیح مقصد یہ ہے کہ اُسے ذاتی اور ملی جائز ضروریات میں صرف کیا جائے لیکن جو لوگ اِس مصرف کے بر عکس خرچ کرنے کے بجائے اُسے دبائے رکھتے ہیں انکو قرآنِ کریم نے کفار قرار دیا ہے

..... الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ يعنی وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو بخیلی کی تعلیم دیتے ہیں۔
بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ اور اس چیز کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں
فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا دی ہے اور ہم نے ایسے ناسپاسوں کے لیئے ذلت آمیز عذاب
مُّهِيْنًا ۝ ۴:۳۷ مقرر کر رکھا ہے۔

لہٰذا اپنی زندگی میں قرآن کریم کو اس کی صحیح جگہ پر نہ رکھنا، ہر معاملہ اور ہر مسئلہ میں خالی الذہن ہو کر اُسی کی روشنی میں قدم نہ اُٹھانا قرآن کی نظر میں کفر ہے، ایمان نہیں ۔

اب سوال یہ ہے کہ کتاب اللہ کو پس پُشت ڈال دینے سے مطلب کیا ہے آپ کو کوئی مسلمان ایسا نہیں ملے گا جو اس بات کا اعتراف کرے کہ اُس نے قرآن کریم کو پس پُشت ڈال رکھا ہے۔ یا اُسکا قرآن پر ایمان نہیں۔ لیکن قرآن صرف ایسے عقیدہ و اعتراف کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔ اسکے نزدیک ایمان و ایقان کی صداقت کا ثبوت یہی ہے کہ انسان کے اعمال اس اعتراف کی شہادت دیتے ہوں۔ مثلاً دیکھئے اہل ایمان کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ اگر تم خلاف ارشاد خداوندی ربٰو میں اُلجھ گئے تو تمہارے لیئے وہی جہنم ہے جو کفار کے

لیے تیار کی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً	اے ایمان والو۔ ربوٰ مت کھاؤ۔ دونا۔ دُگنا کیے ہوئے،
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ	اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اس آگ سے
اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۔ ۱۳۰ - ۱۲۹ - ۲	ڈرو جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔

عام طور پر آپ کو دو قسم کی جماعتیں ملیں گی۔ ایک تو وہ لوگ جو دنیا میں صحیح اور غلط سود وزیاں کا معیار خود اپنی عقل کو ہی سمجھے ہیں۔ ہر معاملہ کا اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ اور انہی فیصلوں کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ عقل کا بے محل استعمال کرتے ہیں، اسلیے انکو ظالم کہا گیا۔ اور انکے متعلق ارشاد ہوا

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ	لیکن ان ظالموں نے بلا علم و دلیل اپنی خواہشات (خیالات)
يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ	کا اتباع کر رکھا ہے سو جسے خدا گمراہ کرے اُسے کون راہ راست
نّٰصِرِيْنَ ۔ ۲۹-۳۰	پر لائے اور انکا کوئی مددگار نہیں ملے گا۔

چونکہ تنہا عقل کے فیصلے یقینیات پر مبنی نہیں ہوتے اسلیے قرآن کریم نے یقینی اور حقیقی علم صرف علم الکتاب کو کہا ہے اور جو علم الکتاب نہیں رکھتا اُسکے متعلق یہی کہا کہ وہ محض قیاس آرائیاں کرتا ہے وہ ذہن انسانی کی ابلہ فریبیوں سے طرح طرح کی منطقی موشگافیوں اور قسم قسم کی فلسفیانہ نکتہ آفرینیوں کے حلقہ دام فریب میں اُلجھا رہتا ہے۔ اور عروس حقیقت اُسکے سامنے کبھی بے نقاب نہیں ہوتی۔

لہ تنہا عقلِ انسانی رہنمائی کے لیے کیوں ناکافی اور ناقابل اعتبار ہے اس کی تفصیل اس موضوع سے خارج ہے اور ایک مستقل عنوان کی محتاج، اسوقت دورِ حاضرہ کے مشہور فلاسفر علم النفسیات کے ماہر مسٹر جوڈ کے بیان کا مختصر سا اقتباس پیش کرنا کافی ہوگا۔ وہ لکھتا ہے "عقل فی الحقیقت ہماری خواہشات کی لونڈی یا انہیں بروئے کار لانے کا ایک آلہ ہے اُسکا کام یہ ہے کہ وہ اُن مقاصد کو ہمارے لیے مہیا کر دے۔ جنہیں ہمارا نفس ہمارے لیے تجویز کر رہا ہے اور اس انداز سے کہ جو ہمارا نفس غیر شعوری طور پر کرنا چاہے اُسکے جواز میں دلائل وجیل تراش دے"۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۔ ۸۰: ۲	اور ان میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو کتاب کا علم تو کچھ نہیں رکھتے لیکن دلپسند، دل خوش کن باتیں بہت جانتے ہیں۔ اور محض قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں۔

لیکن ظن حقیقت کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۔ ۳۶ ۔ ۱۰	اور ان میں سے اکثر محض ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ اور یقیناً ظن حق کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا، اور اللہ انکے اعمال سے واقف ہے۔

یہ جماعت کبھی سعادت ونجات کی راہ نہیں پاسکتی کہ انھوں نے اپنی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ لیکن انکے علاوہ ایک اور جماعت بھی ہے کہ جنے قرآن کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور یہ جماعت اس پہلی جماعت سے بھی زیادہ خطرناک وادیوں میں سرگرداں ہے، مقدم الذکر جماعت کی خطا ولغزش کا راز انکے کیرکٹر کی کمزوری ہے، قوت ایمان کا فقدان ہے، وہ رجحانات ذہنی اور خواہشات قلبی کے غلام ہیں لیکن بایں ہمہ ان میں سے جن کی فطرت سلیم ہے انکے سامنے قرآن کریم کا کھلا کھلا فیصلہ لے آؤ تو ان کی نگاہیں ضرور جھک جائیں گی۔ قلب محسوس کریگا۔ اور انھیں نظر آجائیگا کہ جس راہ عمل کو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ ان کی قلبی کمزوریوں کی وجہ سے ہے، قرآن کا راستہ وہ نہیں، اور چونکہ ان میں عقل وبصیرت موجود ہوتی ہے، اسلیئے ایک مرتبہ رشد وہدایت کی راہیں انکے سامنے کھل جائیں پھر اپنے عمل کو دین بنا کر پیش نہیں کرینگے۔ اسکے برعکس یہ دوسری جماعت وہ ہے کہ غلط راستے پر چل رہے ہیں لیکن اسے عین صراط مستقیم سمجھ رہے ہیں، غلط مسلمات، غلط معتقدات، غلط نظریئے ذہن میں جما رکھے ہیں اور انھیں دین کا جزو قرار دیتے ہیں، وہ نمازوں میں اپنا رخ قبلہ نما کو دیکھ کر سیدھا کرتے ہیں۔ لیکن کبھی نہیں سمجھتے کہ انکے قبلہ نما کی سوئی ہی غلط سمت پر چپک رہی ہے۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اُسے عین دین سمجھتے ہیں! حالانکہ دین سے اسے کچھ علاقہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے آپ کو خدا ورسول کا متبع جانتے ہیں لیکن ان کی اتباع محض انسانوں کی اتباع ہوتی ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ:۔

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ـ ۱۸/۱۰۴	جن کی کوششیں اِس دُنیا میں غلط راستے پر پڑ گئی ہیں۔ اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں

ان میں عوام کو تو چھوڑیے کہ ان میں ہنوز سمجھنے کی استعداد ہی نہیں ہے (اگرچہ کسی قوم میں جہالت کا ہونا کوئی معقول عذر نہیں۔ لیکن بہرکیف جب آج یہی حالت ہے تو یہی کہنا پڑیگا) لیکن قیامت تو یہ ہے کہ جو لوگ عوام کے راہ نما، علم و فضل کے مدعی رشد و ہدایت کے اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں۔ اُن کی بھی حالت یہی ہے کہ انکے علم و عمل کو قرآن سے کچھ نسبت نہیں ہوتی (الا ماشاء اللہ) اِس جماعت کا علاج پہلی جماعت سے کہیں دشوار تر اور کہیں دقت طلب ہے، اُس جماعت کو اگر ان کی راہ عمل سے ہٹا کر سیدھی راہ پر لانا ہوگا۔ تو ان میں قوت ایمان کا پیدا کرنا ہوگا۔ اور وہ محسوس کرینگے کہ کسی مرض کے بدلے انہیں شفا مل رہی ہے ضعف کے عوض قوت اور اضطراب کی جگہ تسکین حاصل ہو رہی ہے۔ لیکن اگر اس جماعت کے مروّجہ دساتیر و آئین سے انہیں یکسانچ بھی ادھر اُدھر ہٹنے کی دعوت دینگے تو وہ تڑپ اٹھیں گے کہ انکے معتقدات اُن سے چھن رہے ہیں، اور معتقدات (غلط ہوں یا صحیح) قلب انسانی کے لیے گرانبہا متاع ہوتے ہیں۔ اور وہ اسے یوں لٹتے نہیں دیکھ سکتا۔ اور پھر معتقدات بھی ایسے جو کہ نسلاً بعد نسلٍ آباء و اجداد سے ترکہ میں متوارث چلے آرہے ہوں وہاں نہ صرف معتقدات ضائع ہونیکا ہی صدمہ ہوتا ہے۔ بلکہ آباء و اجداد کی تعظیم و تقدس لٹ جانیکا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ یہود نے جب کہا تھا کہ ہم اپنے آباء و اجداد کے طریقوں پر ہی چلیں گے تو آباء و اجداد سے مراد محض نسبی آباء ہی نہیں ہوسکتے، بلکہ اُنکے متقدمین احبار و رہبان بھی ہوسکتے ہیں، اس لیے کہ قرآن کریم میں جب یہ آیت نازل ہوئی کہ انھوں نے اپنے احبار و رہبان کو خدا بنا رکھا تھا تو نبی اکرم صلعم سے عرض کیا گیا کہ وہ انھیں خدا بنا کر تو پوجتے نہیں تھے تو حضورؐ نے فرمایا کہ وہ اس چیز کو حلال سمجھتے تھے جسے انکے علماء حلال کہہ دیتے تھے، اور اس کو حرام جسے وہ حرام قرار دیتے تھے، ظاہر ہے کہ جس طریق پر یہ لوگ چل رہے تھے، وہی شریعت اور وہی قوانین تھے۔ اور صرف یہود و نصاریٰ تک ہی محدود نہیں۔ قرآن کریم نے اُمم سابقہ میں سے ہر اُمت کے متعلق فرمایا:۔

"اور آپ سے قبل کوئی رسول کسی بستی میں نہیں آیا۔ جس سے وہاں کے راحت پسندلوگوں نے یہ نہ کہہ دیا ہو کہ ہم نے

اپنے آباء و اجداد کو ایک طریق پر پایا اور ہم انھیں کے نشانات کی اقتدا کرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔
اس پر رسول نے کہا کہ خواہ میں اس سے بہتر مقصود پر لیجانے والا راستہ، جس پر تم نے اپنے آباء کو پایا ہے کیوں نہ لایا ہوں (تم اسی پر چلے جاؤ گے کیا؟) انھوں نے کہا کہ ہم تو اس سے انکار کرتے ہیں جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔" (۴۳: ۲۳-۲۴)

آج مسلمانوں کی محولہ صدر جماعت کی حالت پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ بعینہٖ یہی حالت اُن کی ہو رہی ہے یا نہیں وہ جن باتوں کو عین دین سمجھ رہے ہیں، ان میں سے ہر بات کی سند کسی نہ کسی انسان تک جا کر رک جاتی ہے۔ ضابطۂ خداوندی شریعتِ الٰہی کا کہیں کا نام نہیں آنے پاتا۔ کیا یہی وجدنا آبارنا نہیں؟ کیا ایک عقیدہ، ایک فیصلہ، ایک قانون، محض اسلئے منجر الی صراطِ مستقیم، اور منزہ عن الخطا ہو سکتا ہے کہ اسے اسلاف میں کسی کے نام کے ساتھ منسوب کر دیا جائے! قرآن کریم کو مسلمان خدائے حیّ و قیوم کا ابدی قانون مانتے ہیں انکا ایمان ہے کہ صراطِ مستقیم وہی ہے جو اس سراجِ منیر کی روشنی میں اسوہ حسنہ کے اندر چمکتا ہوا نظر آتا ہے لیکن باایں ہمہ جو باتیں اسلاف کی کتابوں میں کبھی لکھی گئیں۔ کیا انھوں نے کبھی اس کی ضرورت سمجھی ہے کہ انکو اس صراطِ مستقیم سے مطابقت تو دے لی جائے۔ قرآن کریم میں تو یہ خصوصیت موجود ہے کہ وہ ہر زمانہ کا ساتھ دیگا۔ لیکن جو باتیں انسانوں کی پیدا کردہ ہیں وہ تو بہرکیف ماحول سے متاثر اور اپنے اپنے زمانہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ انسانی خیالات کا تو یہ عالم ہے کہ ایک مصنف اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف خیالات قائم کرتا اور ان میں ترمیم و تنسیخ کرتا رہتا ہے۔ جب ایک مصنف کی مختصر سی زندگی میں اسکے قائم کردہ اصول قابلِ تغیر ہو سکتے ہیں، تو حیرت ہے کہ اسکے بعد زمانہ خواہ کہاں سے کہاں چلا جائے، اُسکے خیالات وحی الٰہی کی طرح ناقابلِ تغیر کیسے ہو جائینگے۔ قرآنِ کریم صحیفۂ فطرت ہے یہ مسلمانوں کا ایمان ہے۔ فطرت کی کسی چیز کو اٹھا کر دیکھئے وہ کسی خاص زمانہ سے مقید نہ ہوگی، یہ کبھی نہ ہوگا کہ کسی ایک زمانہ میں اس شے کے متعلق جو کچھ تجارب و مشاہدات عمل میں آ چکے ہوں۔ اس کے فوائد خصائص جو کسی وقت معین کئے جا چکے ہوں ان پر مہر لگجائے اور آنے والی نسلیں گذشتہ محققین کی تحقیق و تفتیش کو نقش آخر سمجھ کر اس چیز کو الگ پھینکدیں۔ برعکس اس کے فطرت کی ہر شے ہر زمانہ کی ارتقائی منازل کا ساتھ دے رہی ہے۔ اور آج تک کسی شے نے یہ نہیں

کہا کہ بس میں اب تھک چکی۔ اب میں زمانہ کی ضروریات کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ لیکن تعجب ہے کہ کتابِ الٰہی کو صحیفۂ فطرت ماننے والے اسکے متعلق یہ یقین کیے بیٹھے ہیں کہ ازمنہ گذشتہ میں اسکے متعلق جو کچھ معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں، وہ آخری باب ہیں۔ اور اسکے بعد یہ کتاب مقدس ایک بیکار شئے (نعوذ باللہ) بن چکی ہے اور اسکی جگہ ان معلومات نے لی ہے جو انسانوں نے اسکے متعلق بہم پہنچائی ہیں۔ قرآن کریم کا تو یہ دعویٰ تھا کہ:۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ۔ ۸۸-۸۷-۳۸

یہ قرآن تمام اہلِ عالم کے لیے نصیحت ہے اور کچھ وقت کے بعد تم اسکے متعلق (خود بخود) جان لوگے۔

لیکن اس کے حاملین کا اب گویا یہ ایمان ہے کہ عالمین سے مُراد محض ازمنہ گزشتہ و اقوام سابقہ ہیں اب چونکہ بابِ تحقیق بند ہو چکا ہے اسلیے عصر حاضرہ کی قومیں اگر اپنے احوال و ظروف کے مطابق اُس سے درسِ عبرت و موعظت لینا چاہیں، اپنی ارتقائی منازل میں اُسے شمعِ ہدایت بنانا چاہیں تو جب تک وہ اپنے آپ کو ہزار پانچسو سال پیچھے نہ لے جائیں، وہ اس سے مستفیض نہیں ہو سکتیں حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم نے جو یہ فرمایا کہ کچھ وقت کے بعد تم اس حقیقت کو جان لوگے کہ قرآن واقعی تمام اقوام عالم کے لیے درسِ موعظت ہے؛ تو جوں جوں زمانہ گزرتا جائیگا۔ یہ حقیقت بے نقاب ہوتی جائے گی۔ انسان جسقدر ترقی کرتا جائےگا اسکی عمرانیت اور مدنیت جتنی وسیع ہوتی چلی جائے گی۔ قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوتی جائے گی۔ اسے کسی خاص زمانہ سے مقید کر دینا اس کی امکانی وسعتوں کو پابہ زنجیر کر دینا ہے۔ ہمارا تو یہ ساری دُنیا کو چیلنج ہے کہ آؤ اپنی عقلوں کی حدِ پرواز کو آزماؤ اور دیکھو کہ قرآن کریم تم سے کتنا آگے آگے چلتا ہے۔ برعکس اسکے یہ کہہ دینا کہ قرآنی کمالات کی تکمیل جو کچھ ہونی تھی ہو چکی۔ اپنے قصورِ فہم کا اعتراف ہو تو ہو قرآن کی شان تو اس سے بہت بلند ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا!
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

بظاہر اس ماضی پرستی کا جذبہ بڑا مقدس اور عقیدت بڑی مومنانہ نظر آتی ہے کہ یہ اسلاف

کی عزت و تکریم اور اپنے عجز و انکسار کی آئینہ دار ہے۔ لیکن اگر ذرا بہ نظر تعمق دیکھا جائے تو اسکے اندر ایک بہت بڑی نفس کی حیلہ جوئی بھی نظر آئے گی، ظاہر ہے کہ تدبر و تفکر تفحص و تجسس کچھ آسان کام نہیں اسکے لیے بڑی ذہنی کاوش دماغ سوزی اور جگر کاوی کی ضرورت ہے اسلاف میں جن حضرات علیہم الرحمہ نے تحقیق و تدقیق کے میدان میں قدم رکھا اُن کی سوانح حیات پر نگہ ڈالئے یکسر مجاہدانہ اور سپاہیانہ زندگی نظر آئے گی، برعکس اسکے بلا سوچے سمجھے ایک پٹری پر چلے جانا بڑی تن آسانی کا کام ہے قرآن کریم نے جن لوگوں کے متعلق کہا ہے کہ وہ آباء و اجداد کی کورانہ تقلید پر مصر تھے، اُنکے متعلق یہی فرمایا کہ وہ مترفین تھے، یعنی وہ لوگ آسائش آرام سہل انگاری اور تن آسانی کی زندگی بسر کرنے کے خوگر ہوچکے تھے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ جس چیز کو عام طور پر ہمارا نفس عقیدت و عظمت کے خوش آئند لباس میں پیش کرتا ہے۔ وہ اکثر اوقات اپنی دوں ہمتی اور کوتاہی کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ ورنہ ایک مسلم کی زندگی ذہنی، بدنی اور قلبی، ہر حیثیت سے سراپا سعی و عمل کی زندگی ہے تگ و دو کی زندگی ہے، اضطراب و سیمابیت کی زندگی ہے، یکسر جہاد کی زندگی ہے۔ عقل و بصیرت اور غور و تفکر کی زندگی ہے، جمود و تعطل کی زندگی نہیں اور ان دونوں زندگیوں کو قرآن کریم نے برابر قرار نہیں دیا:-

أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۔ ۱۹ : ۱۳	کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے حق ہے اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جو اندھا ہے نصیحت تو سمجھ دار لوگ ہی قبول کر سکتے ہیں۔

دیکھیے یہاں یہ نہیں کہا کہ أَفَمَن يُؤْمِنُ یعنی وہ شخص جو اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ جو کچھ نبی اکرمؐ کی طرف سے نازل ہوا ہے حق ہے، بلکہ أَفَمَن يَعْلَمُ کہا گیا ہے۔ یعنی وہ شخص جو علی وجہ البصیرت اس بات کا علم رکھتا ہے، اسی لیے آخر میں کہا گیا کہ نصیحت صرف سمجھ دار لوگ قبول کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم ایک ایک قدم پر تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے اسکا فیصلہ یہ ہے کہ

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۔	اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو گونگے اور بہرے بنے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور کچھ عقل سے کام نہیں لیتے۔

یوں بھی جو لوگ نیک کام محض روایات کی پابندی کی بنا پر کرتے رہتے ہیں اور اس سے زیادہ اور کچھ نہیں سمجھتے کہ ان کاموں کو انکے آباء واجداد نیک سمجھتے اور قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ کام پھر رفتہ رفتہ غیر شعوری طور پر عادتاً ان سے سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ ان سے اُن کی روحانی نشو وارتقا اور ذہنی اور قلبی جلا کیسے ہو سکتی ہے، لہٰذا یہ خیال کہ بابِ نبوت کی طرح بابِ تدبر بھی بند ہو چکا ہے۔ کبھی قرآن کریم کا منشا نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم نے تدبر و تفکر کا حکم کسی خاص قوم یا خاص زمانہ کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ اسلئے اگر یہ سمجھا جائے کہ جسقدر تدبر و تفکر قرآن میں ممکن تھا سب ہو چکا تو یہ سب احکام ساقط العمل ہو جائینگے: اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم سے تدبر و تفہیم کی قوت ساقط ہو جائے اُسکا کیا حشر ہوا کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے یہ احکام آج بھی اسی طرح قائم العمل ہیں۔ جس طرح اس سے پہلے تھے۔ صرف ہمارے دماغوں پر برف کے تودے جم رہے ہیں۔ اور نہیں غور کرتے کہ قرآن کا اس باب میں کیا فیصلہ ہے۔ فرمایا:۔

"کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا اُنکے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں، تو جو لوگ کر پشت پھیر کر ہٹ گئے بعد اسکے کہ سیدھا راستہ انکو معلوم ہوگیا شیطان نے ان کو پکڑ دیا اور انہیں مہلت دی گئی ۔۴۷: ۲۴-۲۵

قرآن کریم کا ارشاد ہے

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۲۱ ۴۵۔

یہ لوگ جو برائیوں میں اُلجھے ہوئے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کو ان جیسا رکھیں گے جو ایمان لائے اور انھوں نے اعمال صالح کئے۔ انکا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے گا، یہ بہت بُرا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں۔

اس آیت پر ذرا گہری نظر ڈالیئے۔ قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ کافر و مومن کی زندگی برابر نہیں ہو سکتی لیکن یہاں یہ حالت ہے کہ مومنین کی زندگی، کفار سے بدرجہا پست و ذلیل ہو چکی ہے۔ مسلمانوں کی کسی مجلس میں جائیے، کسی انجمن کی روداد پڑھیئے۔ کسی کانفرنس میں شریک ہوجیے ہر جگہ ہر وقت یہی مرثیہ خوانی ہوگی کہ مسلمان ذلیل وخوار ہو رہے ہیں ان کی رسوائیوں کی حد ہو چکی ہے۔ حالانکہ وقت و

مسکنت وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا انتہائی غضب قرار دیا ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ یہود پر جب انکے خدا نے اپنا غضب نازل کیا ہے تو انہی الفاظ میں کہ:۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ — پس ان پر ذلت و نکبت کی مار ماری گئی اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہوگئے۔

مسلمانوں کی اس تباہی و بربادی کے اسباب و علل دریافت کرنے کے لیے تحقیقاتی کمیٹیاں بٹھائی جاتی ہیں۔ منکرین قوم سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں، ارباب حل و عقد طرح طرح کی تجاویز پیش کرتے ہیں۔ کئی ہنگامی تحریکیں ابھرتی ہیں اور بیٹھ جاتی ہیں۔ لیکن بایں ہمہ تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی، ان کی پستی و ذلت کے اسباب تلاش کرنے کے لیے ہمیں اس قوت کے سرچشمہ کا سراغ نکالنا چاہیے جو انکے عہد خوش بختی میں کارفرما تھی۔ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ قوت، یہ روح، قرآنی تعلیم پر عمل پیرا ہونے کی بدولت تھی۔ اسلئے کہ قرآن کریم دنیا میں زندگی کی قوتیں سلب کرنے کے لیے نہیں آیا۔ بلکہ یہ تو پیغام ہی حیات بخش و قوت آفریں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۸ : ۲۴ — اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کی دعوت پر لبیک کہا کرو جب رسول تم کو اس چیز کی طرف بلائیں جو زندگی بخشنے والی ہو۔

اور یہ پیغام حیات اور اس راہ عمل کی ہدایت کرتا ہے جو دنیا میں اقوم ہے اور جو اس راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ وہ اسے شادکامی و کامرانی کی بشارت دیتا ہے، فرمایا:۔

"یقیناً یہ قرآن اس چیز کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے سیدھی راہ ہے (اقوم) اور مومنوں کو بشارت دیتا ہے کہ اگر انھوں نے عمل صالح کیے تو انکے لیے اجر کبیر ہوگا۔" (۹ : ۱۷)

ظاہر ہے کہ جب یہ قوم تمام دنیا کی تہذیبوں کی مالک بنا دی گئی تو اس راہ نجات پر جادہ پیما ہونے سے بنی اور اگر آج یہ نکبت و افلاس کے ذلیل ترین گڑھوں میں پڑی ہوئی ہے تو اس کی ایک اور صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے کہ اسنے قرآن کریم کے دامن کو چھوڑ رکھا ہے۔ حالت آج یہ ہے کہ قدم چلتے ہیں اور مسافت طے نہیں ہوتی۔ ہاتھ اٹھتے ہیں لیکن ہلاکتوں کا بڑھتا ہوا سیلاب نہیں رکتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ۔

یہ اس لیے کہ انھوں نے قرآن کریم سے منہ موڑ لیا سو اللہ نے انکے اعمال غارت کر دیے۔

اس باب میں وہ لوگ جو دانستہ قرآن کریم سے اعراض کرتے ہیں اور وہ جو غلط تعلیمات کو حسن عقیدت کی بنا پر قرآنی تعلیمات سمجھتے ہیں اور باوجود متنبہ کیے جانے کے پھر بھی اپنے آپ کو راہ راست پر ہی سمجھتے جاتے ہیں۔ دونوں برابر ہیں۔ اس لیے کہ اگر سنکھیا کو زہر قاتل سمجھ کر کھاؤ، تو اور تریاق سمجھ کر نگل جاؤ تو ہلاکت دونوں صورتوں میں لازمی ہے۔ اور یہی وہ ہلاکت ہے جس کی طرف قومیں بتدریج غیر محسوس طور پر کھنچی چلی جاتی ہیں:۔

"اور جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔ انہیں ہم بتدریج (تباہی کی طرف) لے جا رہے ہیں اس طرح کہ ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی"۔ (۷: ۱۸۲)

آپ کسی عدالت میں جایئے مسلمان کا مقدمہ پیش ہوگا، جج سوال کریگا کہ فیصلہ شریعت کے مطابق چاہتے ہو۔ یا رواج کے مطابق۔ وہ مسلمان بلاتکلف کہدیگا کہ رواج کے مطابق۔ یاللعجب، یہ الفاظ آپ اُس شخص کی زبان سے سن رہے ہیں جس کا ایمان ہے کہ:۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا۔ (۶: ۱۱۵)

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنیوالے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اُسنے ایک مفصل کتاب تمہارے پاس بھیجدی ہے۔

یہی وہ وقت تھا جس کے لیے قرآن نے کہہ دیا تھا:۔

"کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ اور جو آپ سے قبل نازل کی گئی ہیں (اور) اپنے مقدمات شیطان کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کو یہ حکم ہوا ہے کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان ان کو بہکا کر گمراہی کی طرف لے جانا چاہتا ہے"۔ (۴: ۶۰)

اور یہی وہ واقعات ہیں کہ جن کی رُو سے قرآن کریم کے فیصلے کے مطابق ایک مومن مومن کہلاتے ہوئے بھی مشرک ہو سکتا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ - (۱۲:۱۰۶)	اور اکثر لوگ خدا کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر اور کیا شرک ہوگا کہ آپ اپنے متنازعہ فیہ امور میں احکام خداوندی کے مقابلہ میں روایات قدیمہ کو ترجیح دیں کہ رواج اور روایات، انسانوں کے نقوش قدم پر بلا تحقیق و بلا تصدیق چلے جانے کا نام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اتباع صرف قرآن کی جائز ہے اور بس۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؁ (۷:۳)	اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اور اس کو چھوڑ کر دوسرے رفقا کا اتباع مت کرو، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

ایک مسلمان کے لیے یہ اتباع و اطاعت بہ جبر و اکراہ نہیں بلکہ بطیب خاطر ہونی چاہیے۔ قرآن کریم کا تو ارشاد ہے کہ قوانین الٰہی کے فیصلوں کو یہ نہیں کہ رکا فرتوان شد، ناچار مسلمان شو، کی حیثیت سے مانو۔ بلکہ اس فیصلے کے بعد اگر تمہارے دل میں ذرا تنگی محسوس ہوئی تو ایمان جاتا رہا کہ اس حکم خداوندی میں کسی ذاتی اختیار کی گنجائش نہیں۔

"پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہیں ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ باہمی اختلافات میں یہ لوگ آپ سے فیصلہ کرایا کریں۔ اور پھر آپ کے اس فیصلے کے خلاف دل میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور پورے طور پر تسلیم کر لیں۔" (۴:۶۵)

اور جو بات قرآن کے خلاف ہوگی۔ وہ بہر حال کھلی ہوئی گمراہی ہوگی خواہ آپ اسے آباؤ اجداد میں سے کسی کے نام کے ساتھ منسوب کر دیں۔ اور اسی قسم کے فیصلوں کو قرآن کریم نے "زمانہ جاہلیت کے فیصلے" قرار دیا ہے۔ (۵:۵۰)

قرآن کریم نے اپنے نازل ہونے کی غرض یہ بتائی ہے کہ اقوام عالم میں جسقدر اختلافات موجود ہوں ان کو مٹا دیا جائے۔

وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ	اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اسلئے نازل کی ہے کہ
الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً	جن امور میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ ان کو واضح کردیں
لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ - (۱۶ : ۶۴)	اور یہ ہدایت و رحمت ہے مومنین کے لیے۔

تاکہ نوعِ انسانی باہمی نزاعات و مجادلات کی وجہ سے جس سبعیت و بربریت میں اُلجھ رہی ہے باہمی تشتت و افتراق کے باعث جس وحشت و درندگی کا ثبوت دے رہی ہے، اس سے نجات حاصل کرکے ایک صراطِ مستقیم، ایک راہ سعادت پر گامزن ہو جائے، جو وحدتِ انسانی کا راستہ ہے۔ اور جس میں کوئی کجی نہیں، کسی قسم کی کوئی اُلجھن نہیں۔

سب تعریف اس ذات کے لیے جسنے اپنے بندے پر کتاب اُتاری اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی" (۱۸-۱)

لیکن، واحسرتا، کہ جو قوم اپنے آپ کو حاملِ قرآن کہہ رہی ہے۔ تمام دنیا کو ایک مرکز پر لانا تو ایک طرف خود ان کی یہ حالت کہ ہزاروں ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے، اور یہ صرف عوام ہی کی حالت نہیں بلکہ جنہیں عوام کے رہنما ہونیکا دعویٰ ہے، وہ خود اسی تشیع و تحزب کی آگ بھڑکانے میں ہمہ تن مصروف ہیں اور افسوس ہے کہ اس چیز کو خدمتِ دین بتلاتے ہیں، ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور دوسروں کو ناری بتاتا ہے۔ حالانکہ ہر ایک گروہ اپنے سامنے قرآن کو لے کر بیٹھا ہوا ہے۔ یہود و نصاریٰ پر قرآن کریم نے الزام عائد کیا تھا، کہ

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ	یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا طریقہ جہل ہے، اور نصاریٰ
وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ	کہتے ہیں کہ یہود کا طریقہ جہل ہے۔ اور (طرفہ تماشا) کہ
وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۔	دونوں کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔

کیا بعینہٖ یہی حالت آج مسلمانوں کی نہیں ہو گئی ذرا غور سے دیکھیے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس علت کے اندر قدر شرک کیا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے متعلق، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے قرآن کا اعتراض تھا

کہ انہوں نے اپنے رہبان واحبار کو خدا بنا رکھا تھا، یعنی حلت و حرمت جائز و ناجائز میں بجائے کتاب الٰہی کے انسانوں کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اب دیکھیے مسلمانوں کی کیا حالت ہے، جب تک مسلمانوں میں تمسک بالکتاب مسلک رہا، دین کے معاملہ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اس کے بعد مسلمانوں نے اختلافی امور میں کتاب اللہ کی جگہ انسانوں کو مرکز بنا لیا تو وہی حالت ہو گئی جو یہود و نصاریٰ کی تھی اور ملت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ کسی مسئلہ کو لیکر اٹھیے۔ زوایائے علم دین سے کبھی متحدہ آواز نہ اٹھے گی۔ ایک کچھ کہے گا۔ اور دوسرا کچھ اور۔ اور سند میں ہر ایک کسی نہ کسی بزرگ کا نام پیش کر دیگا۔ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں تحریفِ لفظی بھی کی تھی، لیکن اسکے ساتھ تحریف معنوی کی کمی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تحریفِ لفظی کے خلاف کلمات قرآنی کے تحفظ کی ذمہ داری خود لے لی۔ لہٰذا اس میں تو کسی انسان کا کچھ اختیار ہی نہ رہا کہ کوئی کمی بیشی کر سکے لیکن تحریف معنوی کا دروازہ تو ہر ایک کے لیے کھلا تھا۔ چنانچہ دانستہ یا نادانستہ یہ تحریف اس انداز سے ہوئی کہ جو لباس کسی کے جی میں آیا قرآن کو پہنا دیا۔ اور وہی لباس نفسِ قرآن سمجھ لیا گیا۔ اب اگر قرآن کو بے نقاب کرنے کی کوشش بھی کیجاوے تو ایک کہرام مچ جاتا ہے شور اٹھتا ہے اسلئے کہ اس سے انسانوں سے تعلق چھوٹ کر خدا سے تعلق وابستہ کرنا پڑتا ہے اور انسانوں کی محبت کحب اللہ او اشد حب دلوں کی انتہائی گہرائیوں میں سمائی ہوئی ہے اور اس تبکدے کو کعبۂ دل سے نکالنا بڑے کڑے حنیف کا کام ہے۔ دل کے اس مرض کا علاج قرآن کے علاوہ اور کہیں نہیں ملیگا۔ اس لئے کہ اس کا دعویٰ ہے کہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن	اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک
رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى	موعظت کی کتاب آ گئی (جس میں) تمہارے سینے
وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (۵۷ : ۱۰)	(کے روگ) کی شفا ہے اور وہ مومنین کیلئے ہدایت و رحمت ہے

لیکن جس طرح پیرنا اسے ہی آئیگا جو پہلے پانی میں اترے۔ قرآن کریم کا یہ نسخہ مقدسہ شفاء اسے ہی دیگا جو دل کو تمام غیر قرآنی خیالات سے پاک کرکے قرآن کی طرف متوجہ ہو جائے۔ لیکن ایسے قلوب کا تو خدا حافظ جن کے متعلق قرآن نے خود کہہ دیا۔

"اور وہ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں ہمارے دل اس کی طرف سے پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگ رہے ہیں۔ اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے سو آپ اپنا کام کئے جائیں۔ ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔ (۴۱:۵)

ان معروضات سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہم ماضی سے بے نیاز ہونا چاہتے ہیں حال کے استحکام اور مستقبل کی درخشندگی کیلئے ماضی سے وابستہ ہونا ازبس ضروری ہے۔ ماضی گذرے ہوئے حال ہی کا تو نام ہے۔ لیکن ماضی سے وابستہ ہونا اور ماضی کی پرستش کرنا دونوں میں بڑا فرق ہے۔ علمائے سلف نے جو خدمات اسلام کی کی ہیں۔ دین کے معاملات میں جس کد و کاوش سے انہوں نے تحقیقات بہم پہنچائی ہیں وہ ہمارے لئے باعثِ افتخار و مایۂ ناز ہیں۔ اگر ہم آباؤ اجداد کے دنیاوی ترکہ کے وارث بننے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے بلکہ اسے باعثِ عزت سمجھتے ہیں تو ان کے علمی ترکہ کو ہم باعثِ ننگ و عار کیوں سمجھیں۔ اس ترکہ سے ہمارا وقار قائم ہے۔ لیکن ہر چیز کو اس کی اپنی جگہ پر رکھنا بھی ضروری ہے جیسے کسی کی تحقیر ناروا ہے ویسے ہی اس کی شان میں غلو و افراط سے کام لینا بھی مستحسن نہیں حضرات متقدمین علم و بصیرت رکھتے تھے لیکن تھے تو انسان ہی خدا تو نہیں تھے انہیں خدا کا مرتبہ دینا نہ ان کے حق میں اچھا ہے نہ اپنے حق میں۔ جس درجۂ امامت و اجتہاد میں وہ پہونچے تھے آج بھی پہنچا جا سکتا ہے اور اپنے ماحول کو مدِ نظر رکھکر قرآن و اسوۂ حسنہ کی روشنی میں جو مسائل انہوں نے مستنبط کئے تھے آج کے ماحول کے مطابق ویسے ہی دساتیر و قوانین آج بھی مرتب کئے جا سکتے ہیں جن کا سرچشمہ وہی اصول دین ہونگے۔ وہی شمع ہدایت ان کیلئے تھا وہی آج ہمارے لئے بھی خضرِ راہ ہو سکتا ہے ایسی پھر ان کی تکفیر کیسی اور تنقیص کیا؟ لہٰذا سب سے پہلے علما حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس بات کو محسوس کریں کہ زمانہ کہاں سے کہاں چلا گیا اور وہ امت مسلمہ کو کہاں لیجانا چاہتے ہیں۔ رسولِ اکرمؐ نے تو فرمایا تھا کہ ایک مومن کی زندگی کی شان ہی یہ ہونی چاہئے کہ اسکا آج، گذشتہ کل سے ترقی یافتہ ہو۔ لیکن یہاں ہمیشہ یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ ہر آئندہ دن گذرے ہوئے دن سے زیادہ بدبخت ہے۔ لہٰذا ایسی قوم کا خدا حافظ۔

اس کے دل سے پوچھئے اسکے جگر سے پوچھیئے
آج جس کی منزلِ مقصود کل سے دور ہے

اس میں شبہ نہیں کہ آج الحاد و مادہ پرستی کا سیلاب امنڈتا چلا آرہا ہے لیکن اس میں سب سے بڑا سبب خود ہمارے علماء حضرات کا بے وجہ تشدد اور بے معنی تنگ نظری ہے۔ یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام دو قسم پر مبنی ہیں ایک تو وہ جن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ ان کے لئے قرآنِ کریم کی نصوصِ صریحہ اور رسول اللہ کا اسوہ حسنہ موجود ہے لیکن دوسری قسم ان احکام کی ہے جو امت کے عام حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ حالات مزاولت زمانہ بدلتے رہتے ہیں۔ اسلیئے انکے متعلق احکام بھی اٹل نہیں ہو سکتے، چنانچہ شریعت نے یہی کیا کہ انکے لیئے اصول تو وضع کر دیئے۔ لیکن ان کی روشنی میں جزئیات ترتیب دینے کا دروازہ ہمیشہ کے لیئے کھلا رکھا۔ اس دروازہ کو بند کر دینا دین میں خلاف فطرت سختی پیدا کر دینا ہے۔ علماء کا فرض ہے کہ قوم کی اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی سیاسی معاشی ضروریات پر غور کریں۔ اور انھیں ایسے دین کا راستہ بتائیں جو انکے لیئے راہنما کا کام دے سکے عوام تو بہر حال تقلید کے بندے رہیں گے لیکن یہ تو جاننے والوں کا فرض ہے کہ انھیں بتلائیں کہ تقلید کس کی کرنی چاہیئے ہوتا یہ ہے کہ زمانہ کے احوال و ظروف کے مطابق دین کی روشنی دی نہیں جاتی، اس لیئے ہر کس و ناکس مبادی شریعت کو پس پشت ڈالکر اپنے ہی ذہن کو اپنا ہادی طریقت بنا لیتا ہے اور اس طرح رفتہ رفتہ قوم کے ہاتھوں سے دامنِ حقیقت چھوٹ جاتا ہے۔ لہذا سب سے مقدم حضرات علما کی اپنی ذہنیت کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

یہاں پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ قرآن کریم و اسوۂ حسنہ کے تمسک اور اشخاص پرستی سے احتراز کی تعلیم میں ہمارے سامنے کسی فرقہ کی تائید یا تردید نہیں۔ فرقہ بندی تو ہوتی ہی انسان پرستی سے ہے، اور جب ہم انسان پرستی کی زنجیروں سے مسلمانوں کو آزاد ہو جانے کی تلقین کرینگے تو پھر فرقہ بندی کیسی فرقہ بندی کا تو یہ عالم ہے کہ آج جو اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں وہ اشخاص پرستی کی الجھنوں میں مقلدین سے بھی زیادہ سختی سے جکڑے ہوئے ہیں جو اہل قرآن ہونے کے مدعی ہیں وہ قرآن و رسول کے

باہمی تعلق سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے قرآن سے بہت دُور پڑے ہوئے ہیں لہذا التمسک بالکتاب کسی گروہ بندی سے حاصل نہیں ہوگا۔ اسکے لیے تو ضرورت ہے کہ تمام انسانی مرکزوں سے منہ موڑ کر احکام قرآنی کو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں دیکھتے ہوئے واجب الاتباع سمجھا جائے اور ہر وہ رسم و روایت جو اس تعلیم کے خلاف نظر آئے، اُسے رَد کر دیا جائے خواہ اس کو کسی نے کسی عالم سلف کے نام سے منسوب کر دیا ہو، یا خود رسول اللہ کی ذات گرامی کے ساتھ جب تک یہ صورت پیدا نہیں ہوتی، نہ قوم کی روحانی پستی دُور ہو سکتی ہے نہ اسکا ذہنی جمود رفع ہو سکتا ہے۔ کیا قرآن پڑھنے والوں کے سامنے یہ منظر کبھی نہیں آتا۔

"جس روز ظالم (حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا۔ اور کہے گا کہ کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول کے ساتھ دین کی راہ پر لگ جاتا وائے شامت! کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا اس (کمبخت) نے مجھے گمراہ کر دیا۔ نصیحت آجانے کے بعد اور شیطان آدمی کو (وقت پر) مدد دینے سے جواب دے دیتا ہے۔ اور رسول کہیں گے کہ اے اللہ میری اس قوم نے قرآن کو بالکل چھوڑ رکھا تھا۔ (۲۵:۲۷-۳۰)

آج مسلمانوں کی ترقی و بہبود کے لیے طرح طرح کی تحریکیں پیدا ہو رہی ہیں، انجمنیں، کانفرنسیں، جلسے ریزولیشن، کمیٹیاں، تحریریں، تقریریں، غرضیکہ ہر ایک دوا اور ہر ایک دُعا بروئے کار لائی جا رہی ہے لیکن نہ دوا میں شفا، نہ دُعا میں اثر، قوم کی حالت روز بروز افسوسناک ہوتی چلی جا رہی ہے اس کی آخر وجہ کیا ہے؟ اسلام تو ایک شجر مقدس ہے جس کی جڑیں زمین میں اور شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں (القرآن) پھر یہ شجر طیب ہمیں بھی وہ پھل کیوں نہیں دیتا جو اس کی فطرت کا خاصہ ہے اسکا جواب واضح ہے۔ اسکی علت بالکل عیاں ہے۔ آپ نے عام طور پر دیکھا ہو گا کہ بیری کے درخت پر بالخصوص اور دیگر درختوں پر بالعموم ایک خاص قسم کی بیل پیدا ہو جاتی ہے اسے اکاس بیل کہتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ تمام درخت پر چھا جاتی ہے۔ آپ اس درخت کو کتنا سینچیے۔ اس کی کتنی پرورش کیجیے۔ وہ کبھی برومند نہیں ہو سکتا جتنی اس درخت کو آپ غذا پہنچانے کی کوشش کرینگے۔ اکاس بیل اتنی ہی بڑھتی چلی جائے گی اور درخت کی روح چوستی جائے گی۔ بیل تو سرسبز ہوتی جائیگی۔ اور درخت سوکھ کر زرد پڑتا جائے گا جب تک

اس بیل کو اُتار کر پھینک نہیں دیا جاتا درخت سرسبز نہیں ہوگا یہ قرآن کے شجرِ مقدس پر ایک مدت سے انسانی تعلیمات کی اکاس بیل چڑھی ہوئی ہے لہٰذا آپ اپنی دانست میں جس قدر کوشش شجرِ اسلام کی تقویت کی کررہے ہیں۔ وہ دراصل اِس بیل اس غیر جنس کی تقویت کا موجب ہوتی جاتی ہے اسلام کی برومندی و بارآوری کے لیے سب سے پہلے اس بیل کو اُتار کر پھینک دینا ضروری ہے اسکے بعد اصل درخت کی پرورش کا وقت آئیگا۔

ان گزارشات کے بعد کیا با ادب دریافت کرنے کی اجازت حاصل کی جاسکتی ہے کہ:۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ
لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا
یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ
قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝
(۵۷ : ۱۶)

کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ انکے
دل خدا کی نصیحت اور اس چیز کے لیے جو حق کے ساتھ
نازل کی گئی ہے جھک جائیں۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں
جن کو اُن سے قبل کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک زمانہ گزر گیا
پھر اُن کے دل سخت ہوگئے اور بہت سے ان میں سے
فاسق ہیں۔

رُباعی

ز قرآں پیشِ خود آئینہ آویز　　دگرگوں گشتۂ از خویش بگریز
ترازوئے بنہ کردارِ خود را　　قیامت ہائے پیشیں را برانگیز

(اقبالؒ)

بے جان زندگی

(آسد ملتانی)

دین کی روح سے ملّت کا عمل خالی ہے
ہے یہ اسلام کہ اسلام کی نقالی ہے؟

اختلافِ علماء دیکھ کے ہوتا ہے گماں
کہ نئے دین کی ہر اک نے بِنا ڈالی ہے

نہ رہا اہلِ تصوّف میں بھی کچھ جذب و اثر
اب وہاں وجہِ کشش نغمۂ قوّالی ہے

جب پڑے کوئی مصیبت تو ذرا جانچ تو لے
امتحاں ہے کہ مکافاتِ بداعمالی ہے؟

تجھ کو نعمت بھی میسّر ہے تو کچھ ناز نہ کر
غیر کے بخت کا صدقہ تری خوشحالی ہے

ہے پسِ کاہ کے انداز پہ اپنی پرواز
ذوقِ رفعت ہے نہ اندیشۂ پامالی ہے

شعر میں حضرتِ اقبال کا پیرو ہونا
ہے اگر جرم تو بے شک آسد اقبالی ہے

یومِ نجات

صدر مسلم لیگ نے ہندوستان میں "یومِ نجات" منانے کا اعلان کیا کیا۔ گویا بھڑوں کے چھتہ میں پتھر دے مارا۔ پریس جس کی قوت سے آج کی دنیا میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہندوؤں کا اپنا ہے۔ اِس لیے جا و بیجا شور مچانے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ ملک کے طول و عرض میں طوفان برپا کر دیا گیا۔ قریہ بہ قریہ اور دہ بہ دہ ایک آگ لگا دی گئی۔ کانگرسی۔ مہاسبھائی سرمایہ دار۔ سوشلسٹ۔ چھوٹے۔ بڑے۔ کس و ناکس۔ ہر ایک نے چلانا شروع کر دیا۔ اور وہ ہلڑ مچا کہ توبہ بھلی۔ اور یہ سب کچھ کس بات پر؟ صرف اِس جرم پر کہ مسلمان اُن زخموں پر سے کپڑا کیوں اُٹھاتے ہیں؟ جو انہیں اِن "برادرانِ یوسفؑ" کے ہاتھوں گزشتہ دو تین برس میں لگے۔ وہ اِس گھاؤ کی تکلیف سے کراہتے کیوں ہیں۔ جو اِن کم ظرف تازہ واردانِ بساطِ حکومت کی ہوسِ ستم رانی اور مشقِ ناوک افگنی کے صدقے اُنکے کلیجے میں ناسور ڈالے ہوئے ہے ان پر الزام یہ ہے کہ اُنکے سینے میں ایسا دل کیوں ہے جسے جور و استبداد کا احساس ہو۔ اُنکی آنکھیں کیوں ایسی حساس ہیں۔ کہ ان میں وفورِ غم سے آنسو ڈبڈبا آئیں۔ ہندوؤں کو شکایت ہے کہ ہم مسلمانوں کو مارتے ہیں تو یہ روتے کیوں ہیں۔ ہم انہیں ذبح کرتے ہیں تو اُن کی رگوں سے ایسا رنگین خون کیوں نکلتا ہے، جو ہمارے دامنِ معصومیت کو داغدار بنادے انہیں گلہ ہے کہ ہم اُنکا گلا گھونٹتے ہیں تو یہ سامنے سے آنکھیں کیوں دکھاتے ہیں، انہیں شکوہ ہے کہ ہم اُن کی متاعِ تہذیب و تمدن اور سرمایہ علم و دین کو لوٹتے ہیں، تو یہ ہمیں بلندیٔ اقبال اور علوِ مرتبت کی دعائیں کیوں نہیں دیتے۔ اُنہیں افسوس ہے کہ یہ بدذوق "ہماری شمشیر جوہردار کی روانی پر تحسین و آفرین کے نعرے بلند کیوں نہیں کرتے؟ انہیں رنج ہے کہ یہ سیفِ قاتل کو مرحبا کہنے کی بجائے تہِ خنجر تڑپتے کیوں ہیں؟ اُنکی پیشانی شکن آلود ہو کر جب ہم تیغ بکف اُنکی طرف ہجوم کر کے آتے ہیں تو اِن نا آشنایانِ آئینِ محبت کی طرف سے ہمارا استقبال اِن الفاظ میں کیوں نہیں ہوتا کہ ع

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے!

اور انہیں بے حد قلق ہے کہ جب ہم حلہ پر تیر چڑھا کر ان کے سینے کو چھلنی کرنا چاہتے ہیں

تو یہ نا واقفانِ دستورِ عشق یہ کیوں نہیں کہتے کہ

تو مشق ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

ہاں! انہیں گلہ ہے اور بجا طور پر گلہ۔ انھیں صدمہ ہے اور بالکل برمحل صدمہ کہ یہ "بندگانِ وفا" اپنے اللہ کے حضور میں ہمارے ظلم وستم کی فریاد لے کر کیوں پہنچتے ہیں اور حق تو یوں ہے کہ ایک ہندو پر ہی کیا موقوف ہے۔ دُنیا میں کون سا ظالم ہے جو اپنے آپ کو ظالم کہلا کر خوش ہوتا ہے کون سا ستمگر ہے جو اپنے ستم واستبداد کے چرچے سن کر نعل در آتش نہیں ہو جاتا فرعون کو بھی حضرت موسیٰؑ سے یہی شکایت تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو "شکرِ نعمت" کے بجائے "شکوہ جور وستم" کا سبق دیتے تھے۔ جب سے دُنیا میں ظلم وناانصافی کا وجود قائم ہوا ہے۔ ظالم کو ہمیشہ یہ گلہ رہا ہے کہ مظلوم اُسکے ظلم واستبداد کی شکایت کیوں کرتا ہے۔ لہذا آج ہندو مسلمانوں کے احساسِ مظلومیت کے مظاہرہ کے خلاف اگر اس قدر آتش در پیرہن ہے تو یہ کونسی نئی بات ہے۔

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی، نہ حریفِ پنجہ فگن نئے!

وہی فطرتِ اسداللہی۔ وہی مرحبی وہی عنتری

ہندو پوچھتا ہے کہ یہ تو بتاؤ کہ تمہیں شکایت کیا ہے! ہم نے تم پر کون سے ظلم توڑے ہیں! کون سے ستم ڈھائے ہیں! ذرا اس کی تفصیل تو بیان کرو۔

کانگریسی اربابِ حل وعقد کے مظالم کی فہرست میں ایک تو اس قسم کے واقعات وحادثات ہیں جن میں ان بھیڑ نما بھیڑیوں نے قوت وحکومت کے نشہ میں بدمست ہو کر نہتے مسلمانوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ اس فردِ جرم میں دوری۔ ٹانڈہ۔ کانپور اور بلند شہر وغیرہ کے خون آلود ذرات ان کوتاہ آستینوں کی دراز دستیوں کی زندہ شہادت موجود ہیں۔ ان کے نامۂ اعمال کے اس حصہ میں ان بیواؤں کی گریہ وزاری ہے جنکے سہاگ لوٹ لئے گئے۔ ان یتیموں کی آہ وفغاں ہے جنکے سر سے باپ کا سایہ اٹھا لیا گیا۔ ان ضعیف ماؤں کے بین ہیں جن کی زندگی کے آخری سہارے توڑ دیے گئے۔ یہ وہ حصہ ہے کہ پیرپور کمیٹی، بہار کی تحقیقاتی کمیٹی اور حاجی عبداللہ ہارون کی زیرِ ترتیب رپورٹ کا ایک ایک لفظ جس کا آئینہ دار ہے۔ جوں جوں اس باب میں تحقیقات ...... کی جائے گی ان کے نامۂ اعمال

کے اِس حصے کا ایک ایک پہلو بے نقاب ہوتا چلا جائے گا۔ یہ حصہ سرِ دست ہمارے موضوع سے خارج ہے، ہم ان کی کتابِ عمل کا ایک اور باب سامنے لاتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں اربابِ بصیرت کے جذبۂ حق و انصاف سے کہ کیا مسلمانوں کی تباہی کے استہلاک کے لیے ان سے بڑھ کر کچھ اور بھی کیا جا سکتا تھا۔

مسلمان کا یہ دعویٰ ہے، اور وہ ازروئے قرآن اِس دعوے کو اِسلام کی ایک بنیادی حقیقت قرار دینے پر مجبور ہے کہ وہ دُنیا میں ایک جداگانہ قوم کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ دُنیا کی کسی دوسری قوم کے ساتھ مل کر ایک نئی قوم نہیں بنا سکتا اِس اصول کی لازمی شق یہ ہے کہ مسلمانوں کی نمائندہ صرف وہی جماعت ہو سکتی ہے جو خالص مسلمانوں پر مشتمل ہو۔ کوئی مخلوط جماعت ان کی نمائندگی نہیں کر سکتی۔ لہٰذا ہر وہ تحریک جو مسلمانوں کے اِس مسلک کے خلاف جائے گی۔ ان کے مخالفانہ نئے مذہب کی ضد ہوگی۔ ہر وہ کوشش جو اِن کی جداگانہ ہستی کو مٹانے کے درپے ہوگی۔ ان کے نزدیک انتہائی ظلم ہوگا۔ اب ذرا دیکھئے کہ کانگریس نے اپنی قوت و حکومت کے زمانہ میں مسلمانوں کے اِس مقدس مسلک کو توڑنے، کچلنے اور فنا کر دینے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ انہوں نے صرف اُن نام نہاد مسلمانوں کو اپنا رفیق کار بنایا، جو اِس عقیدہ کے خلاف قومیت پرستی کے عقیدہ کے حامل تھے صوبجاتِ متوسط میں کابینۂ وزارت میں شامل کرنے کے لیے ایسا مسلمان نہیں ملا تو اِس کرسی کو خالی رکھ لینا گوارا کر لیا گیا۔ لیکن مسلمانوں کا صحیح نمائندہ مسلمان وزیر متعین نہیں کیا گیا۔ انہوں نے اپنی انتہائی کوشش اور پوری قوت اِس باب میں صرف کر دی کہ مسلمانوں کی غیر مخلوط جماعت (مسلم لیگ) کا کوئی امیدوار انتخاب میں کامیاب نہ ہو، انہوں نے مسلمانوں کی وزارتیں توڑنے کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کیا۔ انہوں نے مسلمان زعمائے ملت کو ہر طرح سے بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ آسام کی اولین (سعداللہ) منسٹری اور بنگال میں حق منسٹری کی مخالفت میں ہر ممکن کوشش کی گئی۔ سرحد اور سندھ میں مسلمانوں کے اِس مسلک کو توڑنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا گیا۔ پنجاب کی وزارت اگرچہ ان کی نگاہ میں بے ضرر تھی، بایں ہمہ محض اِس بناء پر کہ وزیرِ اعظم مسلم لیگ کے جلسوں میں شرکت کرتا ہے، وہاں کی حکومت کے راستے میں روڑے اٹکانے

میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ وہ ارباب حکومت جنکی مسلسل کوشش یہ رہی ہو کہ مسلمانوں کے اس مسئلہ حق کو ان سے چھین لیا جائے کس منہ سے دعوے کر سکتی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کچھ نہیں کیا! یہ ذرا یاد کریں اس دور کو جب انگریز کی حکومت کانگریس کی حق نمائندگی کو تسلیم نہیں کیا کرتی تھی۔ جب وہاں سے کانگریسی خیالات کے لوگوں کی مخالفت ہوا کرتی تھی۔ جب وہ اپنے قصر حکومت میں کانگریسی زعماء کو اذن باریابی نہیں دیا کرتے تھے تو اُسوقت کانگریسی حضرات کس طرح انگریز کو ظالم وجابر۔ قاہر و ستمگر اور اس کی حکومت کو شیطان کی حکومت کہا کرتے تھے اور اس حکومت کے خلاف کس طرح آئے دن مظاہرے کیئے جاتے تھے اور یوم د (Days) منایا جایا کرتے تھے۔ ہندو یہی کچھ کریں تو عین حق وانصاف اور حریت پسندی لیکن انہی حالات کے ماتحت مسلمان اسی قسم کا اقدام کریں تو قابل سوختنی اور سزاوار گردن زدنی

اور یہ بھی یاد رہے کہ کانگریس نے مسلمانوں کے اس مسئلہ کے خلاف جو کچھ کیا وہ نشہ حکومت کی بدمستی میں کیا۔ اس لیئے کہ جس دن سے حکومت انکے ہاتھ سے چلی گئی ہے یہ بام غرور وتکبر سے بہت نیچے اُتر آئے ہیں، اب لیگ کو مسلمانوں کی بہت بڑی نمائندہ جماعت کہا جا رہا ہے' صدر مسلم لیگ کو حریت پرست تسلیم کیا جا رہا ہے' کانگریس کے دعوئے عالمگیر نمائندگی کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے' وہی لیگ جو ٹوڈیوں کی جماعت کہی جاتی تھی اس کے متعلق اب اعلان بر اعلان ہو رہا ہے کہ نہیں جس طرح کانگریس آزادی کی حامی ہے اسی طرح لیگ بھی ہے' حتے کہ مسلمانوں کے لیئے جداگانہ انتخاب کا حق بھی تسلیم کیا جا رہا ہے۔

کہیئے کہ اگر مسلمان بارگاہ رب العزت میں اس امر کا سجدۂ شکرانہ ادا کریں کہ اُسنے تھوڑی سے سے حکومت سے بہک جانے والے کم ظرف قدح خواروں کے ہاتھ سے ساغر ومینا چھین کر اُن کی مدہوشی کو ہوش سے بدل دیا۔ تو یہ کون سا ایسا جرم ہے جس کے خلاف محشر انگیز ہنگامے برپا کر دیئے جائیں۔ یہ تو وہ موقع تھا کہ ہندو خود سجدۂ شکر ادا کرتے کہ اللہ نے انکے گم گشتہ حواس کو ٹھکانے لگا دیا۔ ورنہ معلوم لغزش پا انہیں تباہی وبربادی کے کون سے جہنم میں لے گرتی۔ لیکن إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ انسان بڑا ناشکر واقع ہوا ہے۔

پھر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام تمام مذاہب عالم پر افضلیت اور فوقیت رکھتا ہے اور دنیا کا کوئی مذہب عالمگیر سچائیوں کے اعتبار سے اسکے برابر نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے کہ دُنیا میں اسلام کے سوا کوئی مذہب یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ جس کتاب کو وہ آسمانی صحیفہ سمجھتا ہے۔ وہ لفظاً لفظاً اور حرف حرف وہی ہے جکہ اُن کے کسی بچے بانیٔ مذہب کو خدا کی طرف سے ملی تھی، مسلمان کا یہی وہ عقیدہ ہے جو بقول مسٹر مہادیو ڈیسائی مسلمانوں کو ایک الگ قوم بنانے کا موجب ہے۔ اور اُسے کسی اور قوم میں جذب نہیں ہونے دیتا۔ لہٰذا کانگریسی زعماء کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو اُن کے اس عقیدے سے بیگانہ کردیا جائے اِس باب میں کانگریسی دَورِ حکومت میں جو کچھ ہوا اُس کی زندہ شہادت رسوائے عالم "وارد ھاتعلیمی اسکیم" ہے، یہ وہ اسکیم ہے کہ جس کی ہر سچے مسلمان نے مخالفت کی۔ حتے کہ جمعیتہ العلماء جیسی کانگریس پرست جماعت نے بھی کھلے کھلے الفاظ میں اس کی تردید کی[1] لیکن کانگریس اپنے حکومتی اختیارات کے بل بوتے پر جس شدومد سے اس اسکیم کو بروئے کار لائی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ا بعض صوبوں میں اس کا عملی نفاذ ہوگیا۔ بعض میں اسے بالاقساط اختیار کیا گیا، صوبہ بمبئی میں اس اسکیم کی روشنی میں ہندوستانی کی وہ کتابیں رائج کی گئیں جو اس اسکیم کی مثال (جامعہ ملیہ) سے مرتب کرائی گئی تھیں۔ اور جنہیں اب موجودہ حکومتِ بمبئی نے، مسلمانوں کی پیہم مخالفت کی بناء پر منسوخ قرار دیدیا ہے +

کہیئے کہ وہ حکومت جو مسلمانوں کے مذہب و تمدن پر اس طرح کھلے بندوں ڈاکہ ڈالے۔ اُسے ڈاکوؤں کی حکومت کہنے میں کون سی زیادتی ہے۔ اور اس حکومت کے پنجۂ استبداد سے رہائی ملنے پر اگر خدا کی بارگاہ میں مسلمان سجدہ ریز نہ ہوں۔ تو ان سے بڑھ کر اللہ کے احسان کا ناسپاس اور کون ہوگا

---

[1] جمعیتہ العلماء ہند نے اپنے اجلاس دہلی منعقدہ مارچ ۱۹۳۹ء میں واردھا اسکیم کے خلاف ریزولیوشن پاس کیا تھا اور ناظم صاحب نے کھلے اجلاس میں کہا تھا کہ اگر کانگریس نے اس اسکیم کو واپس نہ لیا تو ہم سول نافرمانی کریں گے۔ یہ اسکیم بدستور جاری رہی۔ لیکن ہمارے حریت مآب علمائے کرام کے یہ الفاظ شرمندۂ معنی نہ ہوئے۔

پھر کانگریس کو یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمان جب تک اپنے ماضی سے وابستہ ہے وہ کبھی کسی دوسری قوم میں جذب نہیں ہو سکتا۔ اور وہ کڑی جو کسی قوم کے حال کو اس کے ماضی سے پیوست رکھتی ہے" زبان ہے۔ لہٰذا ان کی انتہائی کوشش یہ رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمان کو اردو زبان سے بیگانہ بنا دیا جائے۔ اور اس کی جگہ وہ زبان رائج کی جائے جس سے مسلمان کا حال، حجاز کے ماضی سے وابستہ ہونے کی بجائے پراچین کے "ست جگت" سے جا ملے۔ کانگریس کو یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمان اردو کی معدومی اور ہندی الفوا ہندوستانی کی ترویج کے کس قدر مخالف ہیں۔ لیکن بایں ہمہ کانگریس نے اپنے عہدِ حکومت میں جس بری طرح اردو کو ذبح کر کے اس کی جگہ ہندی کو رائج کیا اس کی قرار واقعی صدائے بازگشت "جٹ پرانت" (صوبہ متحدہ) کے اسمبلی ہال میں آج تک "ڈلیشی سٹ صنتر" اور "گرڈ سدھانک" کے جناتی لب و لہجہ میں ہر صاحب ذوقِ سلیم کی دل گرفتگی کا باعث بن رہی ہے۔ اگر کسی محکمۂ احتساب نے کبھی پڑتال کی تو اسے معلوم ہوگا کہ کانگریسی حکومتوں نے "ہندی کی ترویج پر کس طرح پانی کی طرح روپیہ بہایا ہے۔ فرمائیے کہ تمدنِ اسلامی کے شجرِ طیب پر اس طرح بے محابا تیر چلانے والے کے ہاتھ شل ہو جانے پر اگر کسی کا قلبِ محزون الحمدللہ کہہ دے تو اس سے کون سی ایسی خطا ہو گئی کہ اسے یوں ہدفِ سب و شتم بنا دیا جائے۔

ہم اس قسم کے واقعات کی کون کون سی تفصیلات بیان کریں اور اپنے "محسنین" کی کس کس نوازشِ بے جا کا تذکرہ کریں۔ یہاں تو یہ عالم ہے کہ

سینہ تمام داغ داغ پنبہ کجا کجا نہم

پھر اگر مشکل صرف داغہائے نمایاں کے گنا دینے سے ہی حل ہو جائے تو ہم یہ بھی کر دیں لیکن اس کا کیا علاج کہ ہزاروں زخم ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی نشان نہیں ہوتا۔ اور لاکھوں تیر ایسے چلائے جاتے ہیں جن کو کمان کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہم ان گولیوں کو گنا سکتے ہیں جن کے دھماکے کی آواز ہر سننے والے کان نے سنی ہو اور جن کے زخموں کا لہو ہر دیکھنے والی آنکھ نے دیکھا ہو۔ لیکن ہم تیر کی اس انی کو کیسے دکھائیں جو کسی کے ابروئے خشمگیں سے نکل کر دل کی گہرائیوں میں اتر گیا ہو۔ دنیا نے جس کی آواز سنی ہو نہ خون کا قطرہ دیکھا ہو۔ ہندو ہم سے فہرست مانگتا ہے، ان زخموں کی جن کا تعلق صرف احساس سے ہے۔ کہیے کہ ہم ان زخموں کو

کیسے سنائیں اور کیسے دکھائیں۔

کیسے بتائے کوئی خونِ آرزو کیا ہے ؟

انھیں یہ ضد ہے کہ دیکھیں گے رنگ بو کیا ہے

کسی کو گالی دی جائے تو یہ گالی دینے والے کے خلاف ایک کھلا ہوا جرم ہے جسے گنایا جا سکتا ہے۔ بتایا جا سکتا ہے۔ لیکن جب کوئی یہ کہے کہ "ہاں جناب جناح صاحب! حضور کی کیا بات ہے! تو اس "جناب" اور "حضور" کے بظاہر تعظیمی الفاظ کے اندر طعن و تشنیع کے جو زہر آلود نشتر چھپے ہیں انھیں کوئی کس طرح دکھا سکے۔ ہندو دورِ حکومت کے اس اڑھائی سال کے مختصر عرصہ میں کانگریسی صوبوں میں رہنے والے مسلمانوں کو کس ذلت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کا اندازہ نہ کوئی تحقیقاتی کمیشن لگا سکتا ہے نہ کسی عدالتِ عالیہ کا چیف جسٹس۔ تنگ نظر ہندو کی بھیچی ہوئی آنکھیں اپنی ایک ایک جنبش میں مسلمان سے علانیہ کہہ رہی تھیں کہ اب دیکھ! یہ اپنی بارہ سو سالہ غلامی کا انتقام تجھ سے کس طرح لیتا ہے! کہیے کہ اگر آج مسلمان ان زہر آلود نگاہوں کے جگر دوز تیروں کے پابند ترکش ہو جانے پہ اطمینان کا سانس لے تو اس نے کون سا گناہ کر دیا ؟ !

پھر جیسا کہ ہر موقع پہ ہوتا چلا آیا ہے قومیت پرست مسلمان نے اس ہنگامہ خیزی و غوغا آرائی میں بھی اپنا حقِ نمک پوری طرح سے ادا کر دیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کانگریس نے اور ان لوگوں کو اپنے ساتھ ملا ہی اس غرض سے رکھا ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کے خلاف کچھ کہنا یا کرنا ہو ان لوگوں کو آگے کر دیا جائے۔ نیشلسٹ مسلمانوں میں سب سے زیادہ دلچسپ اور تاسف انگیز بیان مولانا ابوالکلام آزاد کا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی ہستی ہر نصیحت حاصل کرنے والے قلب کے لئے عبرت و موعظت کی ہزار داستان اپنے اندر رکھتی ہے۔ وہ مولانا صاحب جن کی کبھی یہ حالت تھی کہ ان کا نیچہ ہمیشہ اس نکتے پہ ہوتا تھا جس سے مسلمانوں کے خلاف کوئی آواز اٹھے۔ آج انہی مولانا صاحب کی یہ کیفیت ہو چکی ہے کہ دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کے خلاف جو کچھ کہلوانا ہو، وہ مولانا صاحب کی زبان سے کہلواتے ہیں۔

انقلابات ہیں زمانے کے !

حیرت ہے کہ مولانا صاحب بھی دریافت فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیا شکایت ہے۔ اس کے

جواب میں ہم سوائے اس کے اور کیا کہیں کہ

شکریہ پرسشِ غم کا، مگر اصرار نہ کر
پوچھنے والے یہ تیرا ہی کہیں راز نہ ہو

مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ مسٹر جناح نے یہ ایسی تجویز پیش کی ہے کہ جسے کوئی ایسا مسلمان اپنے ہم مذہبوں کے سامنے پیش نہیں کر سکتا جس کے دل میں ملّی خودداری کا ایک ذرہ بھی موجود ہو۔ چہ خوش!

بجا کہتے ہو۔ سچ کہتے ہو۔ پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو!

مولانا آزاد ——— اور ملّی خودداری!!

ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا!

بیس پچیس سال اُدھر کا ذکر ہے کہ مولانا صاحب کے منہ سے یہ الفاظ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتے تھے لیکن اب تو یہ فقط عہدِ گذشتہ کا ایک بھولا ہوا افسانہ بن چکا ہے۔ مولانا کی وہ متاعِ عزیز جسے ملّی خودداری کہا جاتا ہے عرصہ ہوا گنگا اور جمنا کے سنگم پر آنند بھون کے سامنے ڈوب گئی۔

اب اسے ڈھونڈھ چراغِ رُخِ زیبا لیکر

اب مولانا کے منہ سے "ملّی خودداری" کے الفاظ ان کی اس قلبی کیفیت کی غمّازی کر رہے ہیں جیسی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ

جگر میں ٹیس۔ لب ہنسنے پہ مجبور
کچھ ایسی ہی ہماری زندگی ہے

بہت بڑا زور اس چیز پر دیا جا رہا ہے کہ اگر کانگریسی عہدِ حکومت میں فی الواقع مسلمانوں پر ظلم ہوئے تھے تو صوبوں کے گورنر اور جناب وائسرائے نے مداخلت کیوں نہ کی۔ اُن کی عدمِ مداخلت سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں پر کوئی زیادتی نہیں ہوئی! لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ انگریز کے دل میں مسلمانوں کے لئے کون سی ایسی ہمدردی تھی جو وہ انکی خاطر اس جماعت سے بگاڑ پیدا کر لیتا۔ جو برسرِ حکومت تھی۔ جب کانگریسی دَورِ حکومت شروع ہوا ہے تو گاندھی جی نے بتایا تھا کہ کانگریس کا اور انگریز کا باہمی "شریفانہ معاہدہ" (Gentleman's Agreement)

ہو گیا ہے۔ اس معاہدہ میں لا محالہ یہی کچھ ہوگا کہ جب تک ہندو انگریز کے حقوق کو محفوظ رکھیگا وہ مسلمان کے خلاف جو جی میں آئے کرے، انگریز مداخلت نہیں کریگا۔ کہا جاتا ہے کہ انگریز اب کیوں نہیں بولتا! سو ظاہر ہے کہ انگریز کو کیا پڑی ہے جو وہ اب اس امر کا اعتراف کرے کہ ہاں! فی الواقع ہماری آنکھوں کے سامنے مسلمانوں پر مظالم ہوتے رہے اور ہم خاموش دیکھا کئے! اور یوں بھی مسلمانوں کو جن باتوں کی بڑی شکایت ہے وہ تو جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، ایسے "زخم بے نشان" ہیں جو کسی قانون کی زد میں نہیں آتے۔ اس لئے انگریز کے لئے عذر بھی موجود ہے کہ ہم ان امور میں مداخلت کیسے کرتے!

پھر عوام الناس کو یہ کہکر گمراہ کیا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کے ان سجدہ ہائے شکرانہ سے مفہوم یہ ہے کہ وہ خوش ہے کہ پھر سے انگریز کی حکومت آگئی۔ یہ ایک ایسا لغو اتہام ہے کہ ہمارا خیال ہے کہ اتہام لگانے والے خود اپنے دل میں بھی نادم ہوتے ہونگے کہ ہم زبان سے کیا کہہ رہے ہیں۔ مسٹر جناح متعدد بار اس امر کا اعلان کر چکے ہیں اور "یوم نجات" کے سلسلہ میں اپنے آخری بیان میں بھی انھوں نے اس کا اعادہ کیا ہے کہ ہم نہ ہندو کی غلامی پسند کرتے ہیں نہ انگریز کی۔ ہم وہ آزادی چاہتے ہیں جس سے ہمارا اسلام آزاد ہو۔ اور اب تو پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے کانگریسی حضرات اور نیشنلسٹ مسلمان مثل مسٹر ایس۔ اے برلیوی وغیرہ بھی کھلے کھلے الفاظ میں اس امر کا اعتراف کر چکے ہیں کہ مسلم لیگ بھی آزادی ہند کی اسی طرح متمنی ہے جس طرح کانگریس۔ لہٰذا اب یہ اتہام کہ مسلم لیگ انگریز کی واپسی پر خوشیاں منا رہی ہے سیاسی پروپیگنڈا کی ایک ایسی مکروہ صورت ہے جس کی نظیر صرف قومیت پرستوں کے ہاں ہی مل سکتی ہے۔ اور بعض نیشنلسٹ مسلمانوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مسٹر جناح کی یہ تجویز اور مسلمانوں کا یہ اقدام، کیسر اسلام کے خلاف ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پوچھے کوئی ان انوکھے مجتہدین سے کہ وہ کون سا اسلام ہے جس نے آپ کو یہ تعلیم دی ہے کہ ظالم کے ظلم سے نجات ملنے پر سجدۂ شکر ادا کرنا دین کے خلاف ہے۔ انھوں نے اگر قرآن کریم کو پڑھا ہو تو ہم ان سے عرض کریں کہ زیادہ تفحص و تجسس نہ سہی۔ ذرا بنی اسرائیل کے واقعات کا ہی مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی مرتبہ اس قوم سے کہا ہے کہ ہم نے جو تمہیں فرعون کے پنجۂ استبداد سے نجات دلائی ہے یہ ہماری بڑی رحمت اور نعمت ہے۔ اس نعمت پر سجدۂ شکر ادا کرو۔ اور

قرآنِ کریم میں کئی مرتبہ اس نعمتِ الٰہی کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔ اگر عہدِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے ظلم و استبداد سے نجات ملنا اللہ کی نعمت ہے تو عہدِ حاضرہ کے فراعنہ کے جور و ستم سے نجات مل جانے پر تحدیثِ نعمت کس طرح قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔ یہ تو عین منشائے الٰہی کے مطابق ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ یہاں تو

ہر لحظہ راز دارِ دیں شدہ

پھر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ لیگ اور کانگرس میں اچھا بھلا سمجھوتہ ہو رہا تھا۔ مسٹر جناح نے اس تحریک سے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ اور مولانا آزاد نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ جب کبھی ہندوؤں اور مسلمانوں میں مصالحت و مفاہمت کے آثار نمودار ہوتے ہیں مسٹر جناح کا ہاتھ ہمیشہ اس دروازہ کو بند کر دیتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کونسی صلح تھی جسے مسٹر جناح کی اس تجویز نے روک دیا۔ مصالحت سے معترضین کی مراد یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو مسٹر جناح کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس تجویز سے وہ تیاری رک گئی۔ لیکن سنئے کہ خود پنڈت جی اس باب میں کیا فرماتے ہیں۔ انھوں نے ۱۴ دسمبر کو بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ فرقہ وارانہ مسائل سے مراد مساجد کے سامنے باجہ بجانا اور ذبیحۂ گاؤ وغیرہ ہیں۔ لیکن اس ملک میں گذشتہ دو سال میں فرقہ وارانہ مسائل سے تو کچھ اور ہی مفہوم لیا جانے لگا ہے اور انھیں بڑی سیاسی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ مثلاً وزارتوں میں مسلم لیگ کی نمائندگی۔ یا مخلوط وزارتوں (Coalition Ministries) کی تشکیل۔ بھلا ان معاملات کو فرقہ وارانہ مسائل سے کیا واسطہ!"

(اسٹیٹسمین ۱۵ ۱۲/۳۸)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ پنڈت جی کے نزدیک فرقہ وارانہ مسائل اور ہیں اور سیاسی مسائل اور۔ دہلی میں سیاسی مسائل پر گفتگو ہوئی تو متعدد کانگرسی حضرات نے اس امر کا اعلان کیا کہ چونکہ مسٹر جناح کی اولین شرط یہ تھی کہ لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کیا جائے۔ اور یہ شرط کانگرس کو منظور نہ تھی۔ لہٰذا گفتگوئے مصالحت پروان نہ چڑھ سکی

یہ حصہ تو یہیں ختم ہوگیا۔ اس کے بعد پنڈت جی مسٹر جناح کے ساتھ کن معاملات کے متعلق گفت و شنید کرنے جانا چاہتے تھے۔ اس کے متعلق وہ خود اپنی محولہ صدر تقریر میں فرماتے ہیں:

"دہلی میں جب میں مسٹر جناح سے سیاسی معاملات
کے متعلق گفت و شنید کر رہا تھا تو میں نے ان سے کہا کہ
کہ میں اس بات کے لئے بھی تیار رہوں کہ کسی آئندہ تاریخ
پر فرقہ وارانہ مسائل کے متعلق بھی آپ سے گفتگو کروں"

(ایضاً)

یعنی پنڈت جی جس چیز کے متعلق مسٹر جناح کے پاس دوبارہ جانا چاہتے تھے وہ فرقہ وارانہ مسائل کے متعلق گفتگو تھی۔ اور یہ آپ نے دیکھ لیا کہ فرقہ وارانہ مسائل سے پنڈت جی کی مراد کیا ہے؟ گائے اور باجہ! تو گویا مسٹر جناح کی اس تجویز سے (نیشنلسٹ حضرات کے قول کے مطابق)، جس گفتگوئے صلح کا شیرازہ بکھر گیا وہ گفتگو صرف باجہ اور گائے اور ایسے ہی دیگر مسائل کے متعلق تھی۔ فرمائیے! کہ کیا یہی وہ مسائل ہیں جن کے حل سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تمام اختلافات مٹ جائیں گے۔ اور اس سے مسلمانوں کے تمام مطالبات پورے ہو جائینگے؟ اور تاسف ہے کہ مولانا آزاد بھی فرماتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلافی مسائل ہی گائے اور باجہ ہے۔

خضر کیونکر بتائے۔ کیا بتائے؟
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے؟

برادران! یہ ہے "یوم نجات" کی تجویز کا منشاء اور اس کے خلاف اعتراضات کا مختصر الفاظ میں جواب۔ اب آپ خود اندازہ فرمالیں کہ مسٹر جناح کا یہ فیصلہ کس قدر برمحل۔ مناسب اور اسلامی تعلیم و آئین کے عین مطابق ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ بدیشی حکومت کے ہاتھوں مسلمانوں کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا، وہ بھی کچھ کم زہرہ گداز نہیں۔ اور سو مصیبت کی ایک مصیبت تو خود غلامی ہے۔ اس لئے اس غلامی کی زنجیر کے ٹوٹنے پر مسلمان جس قدر سجدہ ہائے شکر بجا لائینگے اس کا ذکر تحصیل حاصل ہے۔ لیکن کانگریس کا تو یہ دعویٰ تھا کہ یہ سوراجی حکومت ہندوستانیوں کی اپنی حکومت ہے۔ یہ اس آزادی کا پہلا زینہ ہے جس کے حصول کے لئے ہم اس قدر جدوجہد

کر رہے ہیں۔ لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ حکومت ہندوستانیوں کی نہیں بلکہ ہندوؤں کی تھی۔ اور جہاں تک مسلمان کا تعلق ہے یہ آزادی صرف اتنی ہی تھی کہ وہ انگریز کی غلامی سے نکل کر ہندو کی غلامی میں چلا گیا۔ لہٰذا اگر انگریز کی غلامی سے رہائی پر ہم سجدہ ہائے شکرانہ بجا لانے میں حق بجانب ہونگے تو ہندو کی غلامی سے نجات ملنے پر ہم ایسا کرنے پر قابلِ گردن زدنی کیوں قرار دیئے جائیں۔ یاد رہے! مسلمان دنیا میں صرف اپنے اللہ کا غلام بن کر رہ سکتا ہے۔ اور اس کے سوا کسی اور کی غلامی اس کے نزدیک جائز نہیں۔ خواہ وہ ہندو ہو یا انگریز۔ لہٰذا مسلمانوں کا جہادِ آزادی انگریز اور ہندو دونوں کی غلامی سے استخلاص کے لئے ہوگا۔ نہ کہ انگریز کی جگہ اپنے پاؤں میں ہندو کی غلامی کی زنجیریں پہن لینے کے مرادف۔ اور چونکہ جس قسم کی حکومت یہاں ہندو قائم کرنا چاہتا ہے وہ اکثریت کی حکومت ہوگی۔ جس کا مطلب ہندو کی حکومت ہے۔ اس لئے مسلمان اس حکومت کو بھی اپنے لئے ایسی ہی غلامی کی زندگی سمجھتا ہے جیسے انگریز کی حکومت کو۔ مسلمان آزاد ہونا چاہتا ہے اور اس کی آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا اسلام آزاد ہو۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تمام مسلمان اپنی الگ۔ جداگانہ غیر مخلوط جماعت کے ساتھ مل کر رہیں۔ اور اپنے مرکزِ ملت سے وابستہ ہو کر ہر قسم کی غلامی کے خلاف جہاد کریں۔ اللہ کی نصرت اور رحمت ان کے ساتھ ہوگی۔

اگر بایں نرسیدی تمام بولہبی ست

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

موجودہ سیاسی کشمکش

اور

"نیشنلسٹ علماء"

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
اگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد
(ایک مسلمان)

ہندوستانی مسلمان جس نازک دور سے گزر رہا ہے۔ گزشتہ .. ۸ سال کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، ایک طرف برطانوی امپیریلزم کی قہرماں قوت ہے جو رچرڈ شیر دل کی صلیبی روایات میں پروان چڑھی اور دوسری طرف برادرانِ وطن کا وہ جذبۂ وطن پرستی ہے جس کی لہر لہر اور موج موج سے ہزاروں محشر اور صدہا قیامتیں جھانک رہی ہیں۔ انگریز اپنے تاریخی تجربات کی بنا پر جانتا ہے کہ قلب و جگرِ صلیب کو اگر خوف ہے تو خنجرِ ہلال کی نوک سے۔ اگر ہندی غلاموں میں کوئی قوم اسکی شوکت وسطوت کی حریف ہو سکتی ہے۔ تو وہ جس کی سلطنت کے گل شدہ چراغ سے ہنوز دھواں اٹھ رہا ہے دوسری طرف ہندو یہ سمجھ رہا ہے کہ جب تک مسلمان مسلمان کی حیثیت سے باقی ہے، براہمن تہذیب اپنی دیرینہ روایات کے ساتھ زندہ نہیں کی جا سکتی۔ جب تک ولا دِ ابراہیم موجود ہے "صنمکدۂ وطنیت" آباد نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ دونوں گروہ اپنے اپنے مقاصد کے پیشِ نظر اپنی پوری قوتیں صرف کر رہے ہیں کہ ان کی منزل کو جانے والی راہ کا یہ سنگِ گراں ایک طرف لڑھکا دیا جائے یہ دور پرستارانِ رب کعبہ کے لیے بے حد نازک، بے حد دشوار گزار ہے۔ ابتداء سے کر آج تک مسلمانوں پر ایسے ایسے ہزاروں آشوب آئے ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اس جہت سے یہ مصیبت کوئی نئی مصیبت نہیں لیکن اس المناک حقیقت کا اعادہ کتنی بار کیا جائے کہ ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم!
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

شروع سے لے کر آخر تک دیکھ جایئے آپ کو اپنوں کے خلاف اپنے ہی صف آرا نظر آئینگے۔ مسلمانوں کے خنجر مسلمانوں ہی کی گردن میں پیوست دکھائی دینگے۔ محمدؐ کے نام لیواؤں کے تیر محمدؐ کے غلاموں ہی کے سینے میں ترازو ہونگے۔ اس سے بھی زیادہ دردناک اور جگر دوز حقیقت جو اپنے آپ کو تاریخ کے ساتھ دہراتی چلی آئی ہے یہ ہے کہ بدبختی سے ان کا شانۂ مصطفویؐ کو پھونک دینے والے گھر کے چراغوں میں اس طبقے کا دامن سب سے زیادہ تاریک و داغدار ہے جس کو ہم اور آپ "علماء" کے مقدس لقب سے یاد کرتے ہیں ؎

آسماں سے آئے کیوں بجلی جلانے کے لیے
خود چراغِ خانہ ہی غارتگرِ کاشانہ ہے

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مقدس دور کو چھوڑ کر کہ وہ نورِ نبوت سے براہِ راست فیضیاب تھے۔ اور انکو نگاہ محمدؐ رفداہ ابی و امی نے تربیت دیا تھا۔ باقی تمام زمانوں اور ملکوں میں جو فتنہ اُٹھا جو مصیبت آئی۔ جو بجلی تڑپی۔ جو صاعقہ گرا اس میں اس "ملکوتی گروہ" (علماء سوء) کا ہاتھ ضرور کارفرما رہا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا رہا اس کی تفصیلات میں اُلجھنے کا یہ موقعہ ہے نہ اس کی ضرورت۔ بہرحال یہ اپنی جگہ پر ایک تاریخی حقیقت ہے۔ جس کو ارادت اور خوش اعتقادی کا بڑے سے بڑا جذبہ بھی نہیں جھٹلا سکتا۔

رفع التباس رفع التباس کے لیے سرِ تحریر یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ہر دور میں علماء سو کے پہلو بہ پہلو نفوسِ قدسیہ کا ایک ایسا گروہ اُمت میں موجود رہا ہے جنکے دم قدم سے روایاتِ دینِ برحق زندہ رہی ہیں۔ اولیائے کرام صلحائے عظام کی ایک ایسی جماعت رہی ہے جس کے طفیل باطل پرستی

کتمانِ حق۔ انصاف کشی اور شکم پروری کی تیرہ و تار فضا میں شمعِ حق تابندہ رہی ہے۔ یہ وہ پاک روحیں تھیں جنکے فیوض روحانی۔ علم و عمل اور ایثار و قربانی نے ملت کے قالب مردہ میں روحِ حیات پھونکی جنکے ولولہ و جوش نے امتِ مرحوم کی منجمد رگوں میں زندگی کا گرم خون دوڑایا۔ جنکا ہر قدم اتباعِ رسول میں اٹھا۔ جنکا مرنا۔ جینا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا۔ چلنا پھرنا۔ غرضیکہ ہر نفسِ زندگی صداقِ ونسکی ومحیای و مماتی للّٰہ رب العلمین کے تابع رہا۔ یہ دَور پُر فتن بھی اِن اللہ والوں کے وجود سے خالی نہیں۔ یہ مسلمانوں کی واژگوں بختی ہے کہ اکثر و بیشتر مسلمانوں کی لیڈری اُن ننگِ مذہب ملت افراد کے ہاتھ میں ہے جنکو اس پاک گروہ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور اِن بدنام کنندگانِ نکونامے چند کے شور و شر میں مردانِ حق اندیش و حق آگاہ کی آوازیں گم ہوئی جا رہی ہیں!!

مقالہ نگار کا مقصد ان علمائے سوء کے شر سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا ہے جو اسلام کی نورانی جبیں پر بدنما ترین داغ ہیں جن کی سیرت و کردار کو اسوۂ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہیں۔ جن کو پیامِ محمدؐ کا کوئی پاس نہیں۔ جنہوں نے روایاتِ دینِ حنیف کی بھی لاج نہیں رکھی جنکے بے نور سینوں میں اسلام کو پر شکوہ و پُر جلال دیکھنے کی کوئی آرزو کوئی اُمنگ نہیں؛ جنکے قبلہ کا رُخ مرغِ بادنما کی طرح حسب خیالات لندن اور واردھا کی طرف پھرتا رہتا ہے۔ اِس شکم پرست اور باطل نواز گروہ نے جامہ مکر و ریا۔ قبائے زہد و تقدس اور عبائے امامت و نیابت اوڑھ کر مسلمانوں کی متاعِ ارادت و عقیدت پر ڈاکہ ڈالا۔ جب بھولے بھالے مسلمان اپنے ہمرنگِ زمین دام میں گرفتار ہو چکے تو اُنکے طاغوتی قوتوں کا اشارہ پاکر پوری کی پوری امت کو اس روش پر ڈال دیا جو اُنکے دینی و دنیوی خسران کا موجب بن گئی۔ پہلے مسلمانوں کو آقایانِ سفید فام کی دہلیز پر سربسجود کیا گیا اور پھر خدا پرستوں کو صنمِ وطن کی بندگی کے وعظ پلانا شروع کر دیئے۔ وہی گروہ جسپر تعمیرِ ملت و تنظیمِ امت کا فرضِ گراں بار عائد ہوتا تھا۔ جس کی رشد و ہدایت کے نور میں بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم جانا تھا۔ جس کی حدی کاروانِ ملت کے شکستہ حوصلوں کا آخری سہارا اور سرمایہ تھی۔ مسلمانوں کی عزت۔ انکے وقار۔ ان کی فوز و فلاح کا بدترین دشمن ثابت ہوا۔

خضر جانا تھا جنہیں ہم نے وہ ڈاکو نکلے !
جنکو سمجھے تھے مسیحا وہ ہلاکو نکلے ! !

(۲)

ملت اسلامیہ ہندیہ کی نشاۃ ثانیہ اور علماء سوء

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے ، ہندوستان میں مسلمان کی حالت اس مریض کی سی ہے جو موت و حیات کی کش مکش میں گرفتار ہو۔ اس کی صفوں میں انتشار، حوصلوں میں پستی۔ ولولوں میں سردی۔ ارادوں میں مایوسی اور مُردنی کے آثار پیدا ہو چکے ہیں۔ عین اس نزع کی حالت میں ایک داڑھی منڈا مسلمان جو نہ "امام الہند" ہے نہ "امیر شریعت"۔ نہ "شیخ الحدیث" نہ "ابو حنیفہ ثانی" درد مند دل کے ساتھ اٹھتا ہے۔ اور تسبیح ملت کے بکھرے ہوئے دانوں کو ایک ہی رشتے میں پرونے کی کوشش کرتا ہے۔ عبا نہیں۔ قبا نہیں، کوئی ٹھاٹھ نہیں۔ کوئی طمطراق نہیں اگر کچھ ہے تو سینے میں ایک بے قرار دل اور اس ... بے قرار دل میں ملت کا درد مسلمان، علمائے سوء کی شکم پرستیوں۔ باطل نوازیوں، اور ہوسناکیوں کا ستایا ہوا مسلمان قیادت کے ان بھوکوں اور جھوٹے غمخواروں کے ہاتھ سے زمام قیادت چھین کر اس سیدھے سادے مسلمان کے ہاتھ میں دیدیتا ہے اور یقین و ثبات کے ساتھ اپنی صف بندی کرتا ہوا منزلِ مقصود کی طرف چل کھڑا ہوتا ہے ایک طرف سوراجی فوج کا ملحد جرنیل بکمال غرور و تکبر نعرہ لگاتا ہے کہ ہندوستان میں صرف دو ہی قومیں ہیں۔ انگریز ــــــ اور ــــــ ہندو مسلمان کو ہندوستان میں اپنی انفرادی اور ملی ہستی کے بقاو تحفظ کے لیے تنظیم اور صف بندی کا کوئی حق نہیں۔ دوسری طرف ہمارے "وطن پرست" علمائے کرام کا مقدس گروہ اپنے آپ کو لیڈری سے محروم ہوتا ہوا دیکھ کر تلملا اٹھتا ہے۔ کھوئے ہوئے وقار کی بازیافت کے لیے پیچ و تاب کھاتا ہے اپنی بے نور دکانوں کو چمکانے کے لیے اغیار کے "سفر خرچ" پر ہندوستان کے قریہ قریہ میں مارا مارا پھرتا ہے۔ ترنگا جھنڈا ہاتھ میں لیکر پرچم ہلالی کو زمین پر دے مارتا ہے اور ہم صفیرانِ وطن کی سر میں سُر ملا کر ملت کے بے لوث خادموں اور قوم کی عزیز ترین ہستیوں کو انگریز پرست، ٹوڈی، سامراجی اور نہ جانے کن کن ننگِ اخلاق ناموں سے یاد کرتا ہے ۔ جن حقائق پر پہلے ایمان

تھا جسے لیے "پھرتے تھے۔ سشیخ کاندھے پر ممبر لیے ہوئے"۔ اب اسا طیر الا ولین ہو جاتے ہیں (معاذ اللہ) جس نصب العین کی طرف پہلے خدا اور رسول کا نام لے لے کر آیات واحادیث پڑھ پڑھ کر بلایا جاتا رہا ہے۔ اب ٹھیک اسی کی تغلیط اور تردید میں اپنے پیشروں کی پوری قوت طلاقت لسانی کے سارے کمالات، ساری چرب زبانی۔ ساری سحر بیانی اور ساری "بوالکلامی" صرف کر دی جاتی ہے، پہلے اپنے مرکز قومی سے جڑ کر رہنے کی تلقین کی جاتی تھی اِس مرکز سے کٹنے اور ہٹنے والوں کو ابلیس و ملعون قرار دیا جاتا تھا۔ حیاتِ اجتماعی کا درس دیا جاتا تھا۔ لیکن جب مسلمان صدیوں کی گہری نیند سے آنکھیں مل کر اٹھا اور اُس نے چاروں طرف کے حالات پر نظر ڈالکر ایک مرکز پر جمع ہونے کی کوشش کی۔ تو اِسی مرکز کو تباہ و برباد کرنے کے لیے یہ "نیک ٹولی" ہر حربہ آزما رہی ہے ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں !
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق ! (اقبالؒ)

اسی پر بس نہیں ہوتی، بلکہ نئے آقاؤں کی خوشنودیٔ مزاج کیلئے قرآن کے واضح اور متین احکامات کی نظر فریب اور رہزنِ دین وایمان تاویلیں کی جاتی ہیں +

اس کج روی۔ اس گمراہی۔ اس ضلالت وغوایت کا سبب ؟ قبلہ ٹیڑھا ہو جانے کی وجہ ؟ جواب ملتا ہے کہ ہم "علمائے دین" ہیں ! ہم جس طرح چاہیں دین کے ساتھ کھیل سکتے ہیں !! قیادت ہمارا حق ہے قوم کی سیاسی نماز ہماری ہی اقتداء میں ہو سکتی ہے۔ جدھر ہمارا منہ اسی طرف قوم کا بھی ہونا چاہئیے ! پہلے قوت و اقتدار انگریز کے قبضۂ قدرت میں تھے، ہماری نماز لندن کی طرف منہ کر کے ہوتی تھی ! اب زمانہ کی کروٹ نے یہی قوت ٹام سے چھین کر رام کو دیدی ہے۔ اب ہمارا قبلۂ عقیدت وانقیاد وار دھا ہے!!

بے چارہ سادہ دل مسلمان، خوش عقیدہ اور نیازمند مسلمان انقلاب ذہنیت اور زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کا یہ کرشمہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ ازرہ حیرت واستعجاب پوچھتا ہے کہ اے قبلۂ دین۔ اے کعبۂ ایماں۔ اے پیر و مرشد گروہ یہ کیا ماجرا ہے ؟ ؎

اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے ؟

غرور اور تمکنت کی پوری شان کے ساتھ جواب ملتا ہے - تیری بھلائی اسی میں ہے کہ چپ چاپ آنکھیں بند کیے اپنے دامن کو ہمارے دامن سے باندھے چلا آ ! ! !

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا فی الواقعی مسلمان اس بات کے لئے مکلف ہے کہ آنکھیں بند کئے ایک خاص گروہ کے ہر اشارہ کو خدا ورسول کا حکم سمجھ کر اس کی تعمیل اپنا فرض قرار دے - یا اور کیا ہر اس شخص کو جو اپنے نام کے ساتھ مولوی - یا مولانا کا لیبل لگالے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے اپنی اندھی اطاعت اور کورانہ تقلید کا مطالبہ کرے !

ظاہر ہے کہ ہر وہ صائب الرائے مسلمان جس کی نگاہ کے سامنے قرآن کریم اور اسوۂ حسنہ کی روشن قندیلیں موجود ہوں کبھی اس قسم کی "برہمنیت" کو از روئے اسلام جائز قرار نہیں دیگا قبل اس کے کہ کسی شخص یا کسی گروہ کے فیصلوں کو اپنے لئے خضر راہ سمجھا جائے یہ جان لینا ضروری ہوگا کہ اس کا علم - علم صحیح اور اس کا مسلک مسلک حقہ ہے یا نہیں ! اس اصول کے ماتحت اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا موجودہ طبقہ علماء جو ہمیں قومیت پرستی کی روش کی دعوت دیتا ہے - کیا اس کا علم اور مسلک اس معیار پر پورا اترتا ہے ! اس حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لئے کہ ان حضرات کا علم اور مسلک کیا حیثیت رکھتا ہے - ہم چاہتے تو بطور خود بہت سے حقائق پیش کر سکتے تھے لیکن اس مقالہ میں ہم اپنے دعوے کے اثبات کے لئے ایک اور طریق کار اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ طریق جسے قرآن کریم شاہدٌ من اہلہا کہتا ہے - یعنی ہم خود انہی حضرات کی تحریروں کے اقتباسات سے بتانا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے علم اور اپنے مسلک کے متعلق کیا کہتے ہیں - اس کے بعد آپ خود اندازہ فرما لیجیے کہ ان حضرات کو اس دعویٰ کا کہاں تک حق پہنچتا ہے - کہ سعادت و فلاح کی وہی راہ ہے جس پر ہم گامزن ہیں اور جو اس راستہ پر نہیں چلتا - جہنم میں جا گرتا ہے - ہمارے قومیت پرست علماء کے گروہ میں مولانا آزاد کو ایک امتیازی درجہ حاصل ہے - اور ہمارا تو خیال ہے کہ اس طبقہ کی موجودہ روش کے بہت بڑی حد تک ذمہ دار مولانا آزاد ہی ہیں - اس لئے ہم

مولانا آزاد کی تحریروں کے اقتباسات سے اپنے مقصد کی توضیح کرینگے

ان اقتباسات سے اندازہ ہو جائیگا کہ جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے خود ان کے نزدیک بھی مسلم ہے آج مسلمانوں کو اپنی ملی انفرادی ہستی کی حفاظت کے طور پر جو بنیادی مسائل درپیش ہیں آج سے ربع صدی قبل بھی درپیش تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے زمام اقتدار انگریز کے ہاتھ میں تھی اب اس قوت اختیار میں ہندو بھی برابر کا شریک ہے۔ مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم اور اسلامی قوت کے تحفظ کے لئے جو دلائل پہلے پیش کئے جاتے رہے ہیں آج بھی اسی طرح صحیح ہیں جس طرح کل تک صحیح تھے۔ یہ زمانہ کا الٹ پھیر اور بدلے ہوئے نقطۂ نظر کی کرامت ہے۔ کہ نیشنلسٹ علماء کے نزدیک کل کا صحیح، آج غلط۔ اور کل کا غلط آج صحیح ہے۔ انہی کے آئینہ تحریر میں ان کی موجودہ سیرت کے خط و خال دیکھئے، اور علے وجہ البصیرت اندازہ فرمایئے کہ وہ آج قوم کو جس راہ کی طرف بلا رہے ہیں خود انہی کے تفقہ فی الدین اور ایمانی فراست کے نزدیک کیا حیثیت رکھتی ہے۔ جس شے کو وہ آج ملت جاں بلب کے حلقوم میں ٹپکانا چاہتے ہیں آب حیات ہے۔ یا زہر ہلاہل۔ ان تحریروں کو پڑھئے۔ اور غور سے۔ ان کا موازنہ ان ارشادات عالیہ سے کیجئے جو آج انہی بزرگوں کی زبانوں سے نکل نکل کر فضائے ہند میں منتشر ہو رہے ہیں۔ اور ملت کی سمٹی ہوئی قوتوں میں دائمی اور مستقل انتشار کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ منقولہ ذیل مواعظ حسنہ کو جو مسند ارشاد سے موتیوں کی طرح بکھیرے گئے تھے، ان اپدیشوں کے مقابل میں رکھئے۔ جو آج نیشنلزم کے سومناتی چبوترے سے انہی بزرگوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے سروں پر پتھروں کی طرح برسائے جا رہے ہیں۔ پھر دیکھیے، کہ جنکو اللہ تعالیٰ نے "زور خطابت" تفقہ فی الدین وغیرہ نعمتوں سے مالا مال کیا ہے، خود انہی کے ہاتھوں وہ سماں پیدا کیا جا رہا ہے۔ جس کی خبر ذیل کی آیت میں دی گئی ہے

واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا

اس آیہ کریمہ میں ان مترفین کے فسق و فجور کا ذکر کیا گیا ہے

ففسقوا فیھا۔ فحق علیھا القول فدمرناھا تدمیرا ۝ | جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہو کر شکر و اطاعت کی بجائے ظلم و عدوان پھیلاتے ہیں۔ اور اپنے ظلم و عدوان

کے باعث ساری کی ساری بستی ہلاکت کا شکار ہو جاتی ہے۔ اگر مادی نعمتوں کے کفران کا نتیجہ تباہی و بربادی ہے تو علمی، دینی اور روحانی مراتب کا کفران بھی فسق و فجور کی ہی نوعیت ہے۔ اور یقیناً بہت بڑی تباہی کی طرف لے جانے والی ہے۔ اور اس تباہی کی زد میں پوری کی پوری امت ہے۔ اس نعمت کا شکر یہ یہ تھا کہ یہ گروہ اس کا صحیح صحیح استعمال کرتا۔ اور اس کے فوائد سے پوری امت بہرہ مند ہوتی۔

اسلام خدا کا آخری پیغام ہے۔ اسلام کا ضابطہ حیات کامل و اکمل ہے۔ اس میں کسی کمی بیشی یا قطع و برید کی گنجائش نہیں۔ جادہ فوز و فلاح وہی ہے جو خاتم النبین ہونے اس کے لئے تجویز فرمایا لہٰذا اگر آج کوئی طریق نجات ہے تو یہی کہ مسلمان پگڈنڈیوں کو چھوڑ اسی شاہراہ پر چلیں جس کو قرآن صراط مستقیم کہتا ہے۔ اور جو عدل و توسط کی راہ ہے۔ لہٰذا اسلام اور تاسیس ضدین ہیں اگر کوئی شئے مسلمان کے مرض کا دارو ہے تو تجدید ہے۔ تاسیس ختم نبوت کے منافی اور مقام محمد عربی کی توہین ہے۔ ہم سر دست اشارۃً بتلائیں گے کہ نیشنلسٹ علمایان کرام نے "نئی وطنی شریعت" کی ایجاد و ساخت کی جو مہم جاری کر رکھی ہے وہ بزعم خویش اسے جہاد حریت سے تعبیر فرمائیں مگر در اصل وہ تاسیس کی راہ پر گامزن ہیں۔ اور یہ عین گمراہی ہے

قارئین کرام کی سہولت فہم کے لئے ہم مولانا کی تحریروں کو مندرجہ ذیل تین عنوانات کے ماتحت پیش کرتے ہیں۔

(۱) علمائے وقت کی روش اور مسلک دین حنیف

(۲) متحدہ قومیت یا اسلامی قومیت؟

(۳) اصلاح و تربیت امت:۔

ان عنوانات کے ماتحت مولانا کے ارشادات کو پڑھنے کے بعد آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ جو کچھ مقالہ کی تمہید میں عرض کیا گیا ہے یا جو کچھ کہا جائیگا۔ مولانا کے خیالات سے مختلف نہیں۔ جس شئے کو اور جن حالات میں مولانائے موصوف اب سے ربع صدی قبل مسلمانوں کے لیے مفید یا مضر سمجھتے تھے وہ آج بھی ٹھیک اسی انداز سے اور اسی طریق پر مفید یا مضر ہیں۔ سارا فرق مولانا کے بدلے ہوئے زاویہ نگاہ میں ہے ہندوستان وہی۔ اُسکے گنگا جمنا اور سومنات وہی۔ ہندو قوم وہی۔ وہی چوٹی۔ وہی دھوتی۔ مسلمان وہی۔ وہی اسکی مظلومی اور غلامی۔ وہی اس کی منزلِ مقصود اور وہی اس منزل کو جانیوالی راہ اور اُسکے موانعات اسکے گرد و پیش کے حالات جو پہلے تھے سو اب بھی ہیں۔ فرق ہے تو اتنا کہ پہلے ہیئت حاکمہ گوری تھی۔ اب اسمیں سانولا عنصر بھی بسرعت شامل ہو رہا ہے ؎

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے!

وہی فطرت اسداللّٰہی وہی مرحبی وہی عنتری (اقبالؒ)

باب اوّل

علمائے وقت کی روش اور مسلکِ دینِ حنیف!

ہر ملت و وطن کی باگ ڈور اسکے سوچنے سمجھنے والے طبقہ ر Intelligentia کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہی کلیہ ملتِ ابراہیم کے باب میں بھی صادق آتا ہے۔ اِس ملت کا ر Intelligentia در حقیقت وہ گروہ ہے جو دانندۂ اسرار و رموزِ دین ہے اِسی کے صالح و سلیم ہونے پر قوم کی خوش بختی و بیدار طالعی کا مدار ہے اسی کے بھٹک جانے میں قوم کی تباہی کا سامان ہے۔ اِس حقیقت کو بار بار دُہرانا تحصیل حاصل ہے کہ جب تک یہ جماعت جادۂ دینِ حنیف پر گامزن رہی اور اپنے فرائضِ منصبی کو شریعت اور کتاب و سنت کی روشنی میں ادا کرتی رہی۔ ملت کا ہر قدم آگے کی طرف اور کامیابی کے ساتھ اُٹھتا رہا۔ اور جب سے یہ جماعت خود غرضی اور نفس پرستی کا شکار ہوگئی۔ ساری اُمت نکبت و ادبار کی نخچیر نیم کشتہ بنکر رہ گئی ہے

آج اگر مسلمان منتشر ہیں۔ بکھرے ہوئے ہیں۔ ذلیل ہو رہے ہیں تو اسکا سبب اعظم گروہ علما کی بے راہ رویاں ہیں۔

آج عامۃ المسلمین سے زیادہ ملّت کے خواص یعنی طبقہ علما میزان امتحان میں ہے۔ مسلمانوں کی تقدیر کا ستارہ ہزاروں گردشیں دیکھ چکا ہے۔ مگر جو ابتلا آج درپیش ہے عدیم المثال ہے۔ آج ہندوستان میں مسلمان کی ہستی بحیثیت مسلمان معرض خطر میں ہے۔ اسلام کے حریفوں کو اس پر اعتراض نہیں کہ آپ قرآن کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے پر بحث فرماتے ہیں۔ ابن مریمؑ کی زندگی یا موت ثابت کرتے ہیں۔ ہاتھ ناف پر باندھنے میں اطمینان قلب محسوس کرتے ہیں یا اوپر نیچے رکھنے میں اپنی نجات۔ آپ کی نماز، روزے حج۔ زکوٰۃ غرضیکہ جتنی چیزیں جنہیں آپنے مذہب کو مشتمل سمجھ رکھا ہے۔ اغیار کی آنکھ میں نہیں کھٹکتیں۔ ان کو اگر رنج اور غصہ ہے تو اس پیغام سے جسکو لے کر آپ آج سے تیرہ سو سال پیشتر نکلے تھے۔ اور جسکا کرہ ارض کے گوشہ گوشہ میں پہنچانا جس طرح آپ کے نامور اسلاف پر فرض تھا آپ پر بھی فرض ہے! مسلمان کے وجود اور آمد نے گورے کالے، پست و بلند، آقا و بندہ، مشرقی و مغربی۔ اور اسی نوع کے دیگر امتیازات کو مٹا کر صرف ایک ہی امتیاز باقی رکھا ہے وہ ہے امتیاز خیر و شر۔ فرق امر و نہی۔ اختلاف کفر و دین۔ مسلمان جب تک مسلمان ہے غیر الٰہی قوتوں سے اس کی جنگ برابر جاری رہے گی۔ یہ جنگ اُسوقت تک سر نہیں ہو سکتی جب تک مسلمان کے ہاتھ میں قوت و اختیار نہیں۔ اور اسی قوت و اختیار سے محروم کرنے کی سعی آج ہندوستان میں جاری ہے۔ مخالفین اپنی خیریت اسی میں دیکھتے ہیں کہ ملّاؤں کا تراشیدہ دین مسلمان کے حوالے کر کے دُنیا پر خود قابض ہو جائیں۔ اور اُس سیلاب کا خطرہ مٹ جائے جس کی رَو میں کبھی روم و ایران خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے تھے ؎

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات!

اس ہولناک طوفان میں جو وطن اور وطن پرستی کے نام پر اٹھایا جا رہا ہے ملّت کی طوفان زدہ اور شکستہ ناؤ کی ملّاحی کا فرض سب سے پہلے علمائے کرام پر عائد ہوتا ہے مگر وا اَسفا کہ یہی گروہ دیدہ و دانستہ

اِس ہمہ رنگ ترین دام کے حلقے کس رہا ہے جو "ہندو نیشنلزم" کے دیوتاؤں نے حرم کے طائر لاہوتی کے لیے تیار کیا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ کوئی نیا ابوالکلام آزاد ملت میں پیدا ہو اور علماء وقت کے کانوں تک وہی پیغام پہنچائے جو انھوں نے جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس لاہور ۱۹۲۱ء میں بالفاظ ذیل دیا تھا :-

"حضرات علمائے کرام وارکانِ جمعیۃ! اس وقت ایک بڑی آزمائش ہمارے طریق عمل کے لیے درپیش ہے۔ ہم نے مدتوں کی غفلت کے بعد قومی و اجتماعی اعمال کی کش مکش میں قدم رکھا ہے، اس لیے سب سے پہلے ہماری نظر آج کل کی مجلسی اور اجتماعی کاموں کے طرق و اسلوب پر پڑتی ہے اور تقلید و محاکات کا جذبہ ہمیں بے اختیار ان کی جانب کھینچے لگتا ہے۔ لیکن میں آپ کو یاد دلاؤں گا کہ آپ کی راہ ان راہوں سے بالکل الگ ہے اور کتاب اللہ کی ہدایت اور حکمت نبوت کی سنت نے آپ کو دنیا اور دنیا والوں کے تمام گھڑے ہوئے طریقوں اور قاعدوں سے مستغنی کر دیا ہے۔ آپ اس لیے نہیں آئے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے طریقوں کی تقلید کریں۔ بلکہ آپ کو علم و عمل شریعت اس لیے دیا گیا ہے تاکہ دنیا کی آنکھیں آپ کی طرف اُمید و طلب سے اٹھیں اور آپ کی ہدایت اُن کے لیے اتباع و تقلید کا پیام ہو۔ آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے اور اسکے رسول صلعم کی سنت ہے اور ان دو چیزوں سے بڑھ کر اور کون سا مبدءِ علم اور سرچشمۂ حکمت ہو سکتا ہے جو انسانی اعمال کے تمام اصول و فروع کے لیے دنیا میں وجود رکھتا ہو۔ دنیا میں علم و یقین صرف وحی الٰہی اور علوم و اعمال نبوت میں ہے، اسکے سوا علم و یقین اس اسمان دنیا کے نیچے موجود نہیں۔"

اس بصیرت افروز اقتباس کو پڑھ کر اور مولانا آزاد کی موجودہ روش کو دیکھ کر (خدانخواستہ) یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابوالکلام مر چکا ہے جو مسلمانوں کو سرچشمۂ نبوت سے سیراب ہونے کی تلقین کرتا تھا یہ حقائق وہ حقائق نہیں کہ مولانا یا اُنکے واجب الاحترام ہمنشینوں کی نگاہ پر عریاں نہ ہوں اگر نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ انہی حقائق کا خشک علم اور اس آگہی کا پندار ہے جو ان بزرگوں کو اپنی بلندیوں سے نیچے اُتر کر اپنی روش اور عمل پر نگاہ نہیں ڈالنے دیتا۔ ورنہ یہ کیونکر

ہوسکتا کہ وہ اِن حقیقتوں کو جاننے اور اپنی بھٹکی ہوئی سیرت کو دیکھنے کے باوجود راہِ راست پر نہ آئیں ایسا کیوں ہو رہا ہے" اسکی وجہ بھی سن لیجیے!

"حیاتِ دنیوی کی محبت محبتِ الٰہی پر غالب آگئی۔ متاعِ دنیا کی دلفریبیوں پر روح مفتون اور دل نثار ہوگیا۔ اور دنیا پرستی کی لعنت نے عزم و راستی کی روح کو مُردہ کر دیا۔"

تذکرہ کا صفحہ ۶۰-۵۹ (مصنفہ مولانا آزاد)

اس سے زیادہ سچا۔ صحیح اور فراخدلانہ اعترافِ جرم سوائے مولانا کے اور کون کر سکتا ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر سات صوبوں میں کانگریسی خوانِ نعمت کی چھچھوڑی ہوئی ہڈیوں کی کشش نہ ہوتی تو غالباً علمائے کرام اسلامی اجتماعیت کے خلاف علمِ بغاوت بلند نہ فرماتے ؎

یہ "رتبۂ بلند" ملا جسکو مل گیا!
سب پر نگاہِ لطفِ "بتانِ وطن" کہاں؟

فقہائے وطنیت۔ واعظینِ قومیتِ متحدہ اور مولانایانِ نیشنلزم اُمّت میں تفرقہ اندازی پر کیوں مُصر ہیں۔ اسلیئے کہ:-

"اُن کا سرمایۂ ناز علمِ حق نہیں ہے جو تفرقہ مٹاتا اور اتباعِ سبلِ متفرقہ کی جگہ ایک ہی صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے بلکہ یکسر علمِ جدل و خلاف ہے نفس پرستی اس کی کثافت کو خمیر دیتی ہے اور دُنیا طلبی کی آگ اس کی ناپاکی کے بخارات کو اور زیادہ تیز کرتی رہتی ہے۔" ایضاً صفحہ ۵۳

دَورِ عباسی کے علماء کے متعلق ارشاد ہے۔

"جب کوئی مرکز نہ رہا تو شریعت کا بھی کوئی محافظ نہ رہا۔ نہ اُمّت کا کوئی رہبر۔ وہ سارے علمی و عملی مفاسد جو آج نظر آ رہے ہیں یا تو اُس عہد میں پیدا ہوئے یا ہو چکے تھے جو اس عالم آشوبی میں کمال بلوغ کو پہنچے۔ علوم اصلیہ قرآن و حدیث کو ترک کرنے کی بنیاد اسی عہد میں استوار ہوئی۔ تقلید شخصی اور مذہبی فرقہ بندی کے التزام اور تعصب نے اس زمانہ میں پورا پورا زور پکڑا۔ تاتاریوں

کو سب سے پہلی دعوت حنفیوں اور شافعیوں کے باہمی پیکار نے دی تھی۔ تو مسلم حکمران مذہب و علم سے ناآشنا تھے۔ اسلیئے مذہبی حکومت تمامتر علماء و فقہائے مذاہب کے ہاتھ آگئی۔ ہر مذہب کیلئے الگ الگ قاضی الگ الگ مدارس، اوقاف۔ ائمہ جمعہ اور مذہبی عہدے قرار پائے۔ یہی چیز صدہا مفاسد و مصائب کا باعث ہوئی۔ ایک طرف علمائے دُنیا و فقہائے دولت کا ایک گروہ عظیم پیدا ہوگیا۔ دوسری طرف باہمی تعصب و تفرقہ الگ روز بروز زیادہ بڑھنے لگے۔ حتیٰ کہ جن چھوٹے چھوٹے اختلافات کو پہلے عوام نے بھی کبھی اہمیت نہ دی تھی۔ ان کی بنا پر اب خواص و فقہا ایک دوسرے کی تضلیل کرنے لگے۔ تذکرہ ص ۲۳۲-۲۳۱

ہمارے قومیت پرست علمائے کرام اِن سطور کو پڑھیں اور اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں کہ وہ دَورِ عباسی کے جن علمائے سوء کی روش کی شکایت کر رہے ہیں اس سے ہزار گنا بڑھ کر زیادہ مفاسد اور مصائب کا دروازہ آپنے نہیں کھولدیا۔

سلسلۂ تحریر جاری رکھتے ہوئے مولانا آزاد فرماتے ہیں۔

"مدتوں غور کرنے کے بعد یہ حقیقت کھلی کہ اُمتِ اسلامیہ کے تمام مفاسد و مصائب کی اصلی جڑ دو ہی چیزیں ہیں۔ جن کو یونانیت اور عجمیت سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ سارے برگ و بار و ثمرات فساد کو انہی سے ظہور و نمو ہوا۔ آج ہمارے مدارس میں جو علوم باسم اصل و اساس علوم شرعیہ پڑھے پڑھائے جاتے ہیں۔ اگر کسی صاحب حکمت کی نظر کیمیا وی ان کی تحلیل و تفرید کرے تو کھل جائے کہ کس قدر حصہ انکا شریعت اصلیہ اور دین الخالص سے مرکب ہے۔ اور کس قدر اس فتنۂ عالم آشوب یونانیت اور عجمیت سے؟ کوئی شے اِس سے نہ بچی۔ حتیٰ کہ علما علوم آلیہ و بلاغت لبیان اور عملاً جزئیات اعمال و رسوم و ہیئات معاشرت وغیر ذالک۔ جب یہ حال علوم شرعیہ بلکہ نام نہاد اصولیہ کا ہے تو پھر ان اساطیر و اوہام کا کیا پوچھنا جنکو بہ لقب شریعت "معقولات" پکارا جاتا ہے۔ وَاِنَّ من العلوِ جھلاً"۔

یہ ہے وہ "علم" جس کی تکمیل کے بعد ہمارے دینی مدارس میں مولویت کی سند ملتی ہے، اور یہ ہے وہ

سند جس کی بنا پر اُمّت سے تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ ان علماء حضرات کی اتباع و اطاعت میں ہی اپنے لیے نجات کا سامان تلاش کریں۔ ہمارے دینی مدارس کا نصاب اُٹھا کر دیکھئے۔ اسی یونانیت اور عجمیّت کا مجموعہ ہوگا، جسکے متعلق، ان خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

یہ تو ہے ہمارے اِن علماء کے علم کی اصل۔ اب انکے عمل کے متعلق بھی مولانا صاحب کے ارشادات گرامی ملاحظہ فرمایئے:۔

علماءِ سوء کی بُرائیوں اور کوتاہیوں کی طویل طویل فہرست گنانے کے بعد مولانا رقمطراز ہیں:۔

"اگر علماء کے خصائل کا یہ حال ہے تو اسکے بعد عامۃ الناس کے لیے فسق و فجور کا کون سا درجہ باقی رہ گیا ہے۔ یہی وہ کتمانِ حق یعنی حق کو چھپانے کی لعنت ہے، جو علماءِ یہود پر چھا گئی تھی۔ اور منجملہ اسباب مغضوبیت ہوئی۔ وان کثیرا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون۔ اور افسوس کہ یہی حال شبر بشبر اور ذراع بذراع اِس اُمّت کے عُلماءِ سوء کا بھی ہوا۔" تذکرہ ص۴۹

صفحہ ۵۰ پر فرماتے ہیں:۔

آج اُمّت کا ایک فاسق سے فاسق گروہ بھی شاید کسی سچائی کی خاطر کچھ نقصان جان و مال اُٹھا لے اور اس کو اپنے گناہ کا کفارہ سمجھے لیکن مدعیانِ علم و مشیخت اور زہد فروشانِ سجادہ طریقت سے اتنی بھی اُمید نہیں۔"

مولانا صاحب رونا تو یہی ہے! لیکن آج اُمّتِ مرحوم کو مشائخ اور سجادہ نشینوں سے کہیں بڑھ کر اُن بزرگوں سے شکوہ ہے جن کی بصیرت و فراست پر وطن پرستی کے پردے پڑ چکے ہیں اور اسی لیے آج اُمّت کا ایک فاسق سے فاسق گروہ بھی شاید مرکزِ ملت کی قوت و استحکام کی خاطر ہر قسم کی قربانی پر آمادہ ہو جائے۔ اور اسکو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھے لیکن "مدعیانِ امامت" و امارتِ شرعیہ اور اپنوں سے کٹ کر اغیار کے ساتھ مل جانے والوں سے تو اتنی بھی توقع نہیں!

پھر اپنی قلعی یوں کھلتی ہے۔

خدا کے بندوں کو فریب دیتے دیتے اس طائفہ بوالہوس کی جرأتیں یہاں تک بڑھ گئی ہیں
کہ عالم السّر و اخفا کو بھی دھوکا دینے میں چست و چالاک ہوگئے ہیں۔ وَمَا یَخْدَعُوْنَ
اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۔ یہ ضلالت اس وجہ سے بھی آگے بڑھی یہاں تک کہ مسائل
حیل و احتیال، فقہ سوء و مزعومہ کا ایک باقاعدہ اور مستقل باب و مبحث بن گیا!" تذکرہ صت ۷۹

خدا کے بندوں اور خود خدا کو فریب دینے کی اس سے زیادہ مکروہ اور سفیہ مثال اور کیا ہوگی کہ وہ
دینِ قویم جس کی شان لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ تھی اس کی برتری اور فوقیت کو ختم کرنے کے
لیئے اور محض گاندھی کی خوشنودیٔ مزاج کے خیال سے "عالمگیر سچائی" کے لحاظ سے اسلام کو دوسرے
مذاہب کے یکساں قرار دیا جائے؟

اپنے مندرجہ فوق ارشادات سے نتیجہ یہ نکلتے ہیں:۔

"شریعت الٰہی جو عدل و صداقت کے قیام کے لیئے آئی تھی اسکے نام سے مکر و فریب اور ظلم و غضب اور
سلب و نہب کے تمام کاروبار جاری ہوگئے اور دُنیا کی تباہی کے لیئے اس سے بدتر وقت اور کوئی
نہیں ہو سکتا ہے کہ خدا کا پاک نام لے کر اس دُنیا میں بُرائی پھیلائی جائے۔ تذکرہ صلا......

....

.... یہ لوگ ہی فی الحقیقت ملحد ہیں۔ انکا الحاد اعتقادی نہیں بلکہ عملی ہے اور
دنیا میں ہمیشہ الحادِ فی العمل ہی زیادہ رہا ہے!" تذکرہ صلا

یہ لکھتے ہوئے قلم لرز جاتا ہے اسلیئے کیسے کہا جائے کہ یہ کس گروہ کی مُنہ بولتی تصویر ہے۔
مندرجہ ذیل اقتباس قارئینِ کرام کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے:۔

"افسوس! ہر عہد اور ہر دَور میں جس قدر بربادیاں ہوئیں علمائے سوء ہی کے ہاتھ ہوئیں وقت
اور زمانہ کی شکایت بے سود ہے۔ سچ یہ ہے کہ عہدِ اکبری کے تمام فتنہ و فساد کے اصلی ذمہ دار
یہی علمائے عَفَا اللّٰہُ عَنْہُم تھا ہیں نہ کہ ابوالفضل اور فیضی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد

الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس عہد کی نسبت اپنے مکاتیب میں بار بار لکھتے ہیں "ہر فتوائے کہ دراں زماں در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ از شومیِ علماء سوء ہست کہ فی الحقیقت شرار مردم و لصوص دین اند" اولئک حزب الشیطان۔ الا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون ٥

اکبر کا قصور یہ تھا کہ اُس نے دینِ قیم سے برگشتہ ہو کر دین الٰہی بنائے اور خود اسکا بانی بننے کی سعی کی اکبر کے دَور کے علماء کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے اسکی تائید و حمایت میں فتوے دیے۔ اور معاذ اللہ دینِ حنیف کا حُلیہ بگاڑنے میں اکبر کے معاون ثابت ہوئے۔ مولانا نے انکو عبید الدنیا کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ مگر حضرت مولانا صاحب ازرہ انصاف ان عُلمائے عبید الھنود کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں، جنکا جرم اکبری علماء سوء سے بدرجہا مکروہ اور بڑھ کر ہے؟ کیا نیشنلسٹ علماء بھی دین الٰہی کے سے بلکہ اُس سے بھی بدتر نوعیت کے "دین جدید" کی ترتیب و تدوین میں عملاً مصروف نہیں؟ وہ "متحدہ قومیت" جس میں سرسوتی کی مورت کے سامنے ہاتھ جوڑنا پڑیں۔ گاندھی کو مہاتما نہ کہنے پر جرمانہ کی سزا ملے۔ السّلام علیکم کی جگہ نمستے اور رام رام جی کہنا پڑے۔ وطنی جمہوریت کا وہ نظام جس میں مسلمانوں کے مذہبی، ثقافتی لسانی علمی۔ تاریخی اور معاشرتی امتیازات ایک ایک کر کے معدوم ہو جائیں جس میں سیرت و کردار کا کوئی پہلو اسلامی نہ ہے۔ جس میں اسلام اور ہندو مت کو عالمگیر سچائیوں کے اعتبار سے ایک سطح پر لا کر کھڑا کر دیا جائے۔ کیا دین الٰہی سے مکروہ تر شئے نہیں۔ اگر دَور اکبری کے علمائے سوء اس باطل نوازی کی پاداش میں گشتنی اور سوختنی تھے۔ اور یقیناً تھے تو حضرت امام الھند کا اپنے گروہ وطن پرست سے متعلق کیا فتویٰ ہے؟ کیا "متحدہ قومیت" دین الٰہی کا جدید ایڈیشن نہیں؟ دین الٰہی کی جزبندی بھی مختلف ادیان و مذاہب کے اجزائے مرغوب لیکر کی گئی تھی۔ اور "متحدہ قومیت" کے ایوان کی تعمیر اسی نہج کے سنگریزوں سے ہو رہی ہے، کیا آپ ہی کے گروہ "مجاہدین وطن" کے ایک جانباز مجاہد ڈاکٹر محمود وزیر تعلیم صوبہ بہار اکبر کے دین الٰہی کو "متحدہ قومیت کی منزل لیلیٰ کی جانب ازراہ استحسان پہلا اور کامیاب قدم قرار نہیں دے چکے؟ اگر آپ کی ایمانی بصیرت اور دینی فراست کے نزدیک دین الٰہی کے مؤسس اور ان مؤسسین کے مؤید علماء گمراہ اور مضل تھے تو ڈاکٹر صاحب

کی نسبت کیا رائے ہے، جن کی سیاسی نماز آپ ہی کی اقتدا میں ادا ہو رہی ہے؟ کیا آپ نے بحیثیت امام الھند کوئی مواخذہ فرمایا؟ کوئی سرزنش جائز سمجھی؟ کیا آپ کے ابرو ئے غیرت و ایمان پر کوئی شکن پڑا؟۔

دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں۔ اور جاننے والے جانتے ہیں کہ خود آپ کی ذاتِ گرامی سب سے زیادہ مورد الزام ہے۔ اکبر تو خیر برائے نام مسلمان تھا مسلمان سلاطین کے سلسلے سے تعلق رکھتا تھا۔ درباری علماء نے اسکی قوت و طاقت سے مرعوب ہو کر ترغیب و تحریص میں آ کر دین الٰہی پر ایمان لانا۔ اور اسکی حمایت میں فتوے دینا گوارا کر لیا۔ مگر آپ پر کون سی مصیبت نازل ہوئی کہ آپ ایک مشرک و کافر کی خوشنودیٔ مزاج کی خاطر ایک نئے برہمو سماجی مذہب کے موجد بنگئے!

مولانا از راہِ تعجب و تبسم فرماتے ہیں:۔

"بعض علماء عصر نے اکبر کے امام وقت ہونے کا محضر تیار کیا تھا اور تمام علمائے دار الحکومت نے اپنی مہریں ثبت کی تھیں۔" تذکرہ ص۱۲

آہ! یہ حقیقت کتنی المناک اور تلخ ہے کہ اکبر کے امام وقت بنلئے جانے پر علمائے اکبری کو برا بھلا کہنے والا ابو الکلام گاندھی کو امام وقت قرار دیئے جانے پر ٹس سے مس نہیں ہوتا۔

مرشد ابو الکلام ہو گاندھی!

انقلابات ہیں زمانے کے!

علماءِ سوء کی بدبختی اور نحوست کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:۔

"گزشتہ دور میں جو بلائیں ہمارے سروں پر آئیں۔ اس جماعت کی بدبختی اور نحوست کی راہ سے آئیں، بادشاہوں کو یہی لوگ راہ راست سے ہٹا کر گمراہ کرتے تھے بہتر طریقے جو گمرہی کے طریقے ہیں جن لوگوں نے بھی اختیار کیئے انہی لوگوں کی بدولت۔"

(تذکرہ صفحہ ۶۴)

کیا آج ہندوستان میں واردھا اسکیم۔ بندے ماترم گائے جانے پر اصرار کانگریسی "ہفت اقلیم" میں مسلمانوں پر ناگفتنی مظالم اور ہزاروں بلائیں اسی گروہ علماء کی بدبختی اور نحوست کی راہ سے نہیں آئیں جو آج کانگرس کا دم چھلا بنا ہوا ہے۔ کیا گمرہی کے بہتر طریقوں میں ایک تہتر دیں فرقہ نیشنلسٹ کا اضافہ نہیں ہوا؟ کیا "نیشنلزم" روحِ اسلام کی ضد نہیں؟ کیا وطن پرستی کی اندھی دُھن مذہبی اعتقادات پر غالب آکر عوام تو عوام کانگرسی خواص اور علماء تک کے سینوں کو سیہ خانے نہیں بنا چکی؟

اور ملاحظہ فرمایئے:۔

"پچھلے دور میں علماء کے اختلافات نے دُنیا کو ایک مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اب پھر وہی بات سامنے ہے۔ دین کا رواج بھلا کیا ہوگا؟ اس کی بھلا کیا گنجائش ہوگی؟ بلکہ دین کی بربادی اس سے ضرور ہوگی" الفرقان ص۳

بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو!

مدعیانِ علم و زہد کے دعوے کی تردید یوں فرمائی گئی ہے!

منتخب التواریخ ایک مرقع ہے جس میں اس عہد کے تمام اربابِ علم و اصحابِ جبہ و سجادہ کی تصویریں اپنے اصلی بھیس میں نظر آجاتی ہیں اور دیکھ کر عبرت ہوتی ہے کہ بڑے بڑے مدعیانِ علم و زہد کو بھی دنیا پرستی نے چین سے نہ بیٹھنے دیا" تذکرہ ص۵

منتخب التواریخ کی طرح مولانا کی یہ تحریرات بھی وہ مرقعات ہیں جن میں وطن پرست مُلایانِ کرام کی تصویریں اپنے اصلی خدوخال میں نظر آرہی ہیں اور دیکھ کر عبرت ہوتی ہے کہ بڑے بڑے شیخ الحدیث۔ شیخ الہند رئیس المفسرین اور امیر شریعت کس راستے پر گامزن ہیں +

اے ملت بیضا! تیرے اس ابوالکلام پر کس غارتگر دین و دل نے افسوں کر دیا، جسکے ایمان افروز اور یقین پرور نوکِ قلم سے ذیل کے جملے نکلے تھے؟

"وہ آنکھیں جن میں نفس اور ماتم دنیا کے لیے آنسوؤں کے دریا بند ہوتے ہیں حق کی غمگینی اور امت کے ماتم کے لیے ایک قطرۂ اشک بھی نہیں رکھتیں اور جن دلوں میں عشق ذات اور محبت اہل و عیال کے لیے ایک عالمِ شورش اور طوفانِ اضطراب مخفی ہوتا ہے۔ اس میں اللہ اور کلمۂ حق کے عشق کے لیے درد کی ایک ٹیس اور غم کی ایک چبھن بھی پیدا نہیں ہوتی ....

...... تو جس وقت کفر و ضلالت اور بدعات و منکرات کے غلبہ و قہر سے ارضِ الٰہی کا ایک ایک گوشہ چیخ اور چلا رہا ہے۔ پرستاران حق کی غربت ہر طرف سر پیٹتی ہے۔ اور ماتم کرتی ہے۔ خدا کی زمین کے گوشہ گوشہ سے واشریعتا! وادینا!! وامصیبتا!!! واویلا کی فریادیں اٹھ اٹھ کر آسمان تک جاتی ہیں۔ اور فضائے کائنات کا ایک ایک ذرہ داعیٔ حق کے لیے روتا اور قائد ہدایت کو کھوجتا ہے۔ اور پکارتا ہے یا ناعی الاسلام قم! وانعه قد زال عرف وبدا منكر۔ لیکن نہ تو عباد و زہاد وقت کو تسبیح ہزار دانہ کی گردش مہلت سماعت دیتی ہے اور نہ ہنگامہ سازان مدارس و مجامع کو اساطیر جدل و خلاف و ساتیر قیل و قال کا شور و غوغا فرصت بصارت، اصلی حقیقت سے اس درجہ بُعد و مہجوری طاری ہو جاتا ہے کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی احیاء شریعت و تجدید بناء ملت کا خیال نہیں گزرتا۔ اور کوئی نہیں سوچتا کہ سارے کارخانے اور ہنگامے تو اسلیے تھے کہ لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا۔ سو جب وہی سرنگوں ہو گیا تو پھر ان اجساد بے روح اور قشور بے مغز کی پرستش کیا سود مند علم و عمل ہو سکتی ہے؟ اور جب روح امت معطل ہو گئی اور حق کی جگہ باطل کی اور سنت کی جگہ بدعت کی حکومت چھا گئی تو پھر یہ تمام باتیں کب مثمر و منتج ہو سکتی ہیں؟ بلکہ اب تو انکا شمار موانع و مہالک راہ میں سے ہو گیا ہے"!

تذکرہ صفحہ ۹۷،۹۸،۹۹

یہ غیرت پرور پیام جو حضرت مولانا نے کبھی قوم کو دیا تھا آج بھی کانوں میں گونج رہا ہے۔ اگر مولانا معاف

فرمائیں اور اپنے موجودہ مسلکِ وطنیت کی شان میں گستاخی نہ سمجھیں تو عرض کیا جائے کہ آپ اُن آنکھوں کا رونا تو رو دیے ہیں جن میں غمِ نفس اور ماتمِ دُنیا کے لیے دریا بند ہوتے ہیں۔ لیکن آپ کو اس چشمِ تر سے گلہ پیدا نہیں ہوتا۔ جو ہند و تہذیب کے لیے۔ غمِ وزارت اور ہوسِ قیادت کے لیے تو دجلہ ریز ہے مگر جس میں ملتِ بیضا کی مٹتی ہوئی عزت۔ لٹتے ہوئے وقار اور جلتے ہوئے کاشانے کے لیے سرِ مژگاں ایک قطرہ بھی نہیں چپکتا۔ آپ اِن دلوں کا شکوہ تو کرتے ہیں۔ جن میں گاندھی کی ہم طلبی نہرو کی ہمدمی اور آنند بھون کی اُمنگ پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن اُن مریض قلوب کے مرضِ مزمن کا علاج نہیں سوچتے۔ جن میں ملت کو سرفراز و برادرِ ہمند دیکھنے کی کوئی آرزو پیدا نہیں ہوتی۔ آج بھی "وطنیت نواز" ہندمیں منکر اور بدعتِ نیشنلزم کا حق و صداقت پر غلبہ ہوا جا رہا ہے۔ آج بھی کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں کی آہ و فغاں آسمان سے ٹکرا رہی ہے۔ آج بھی "سوراج یافتہ" ہندوستان کے چپے چپے سے "بائی ذنب قتلت ؟" کا شورِ محشر خیز اٹھ رہا ہے۔ مگر حق و صداقت اور غیرت و حمیت کے پیکر ابوالکلام کے دل میں کوئی ٹیس پیدا نہیں ہوتی۔ یہ قیامت نہیں تو اور کیا ہے ؟

ہندوستان کی آزادی۔ حریت طلبی۔ مجاہدیت اور ابوالکلامی تو اسلیے تھی کہ کلمۃ اللہ بلند ہو جب یہی سرنگوں ہو گیا تو ع

پڑے خاک اس سلیقے پر لگے آگ اِن قرینوں میں !

(باقی آئندہ)

اسلامی تمدّن اور سیاسیاتِ حاضرہ

(میاں محمد رفیق صاحب ایم۔ اے)

ہر چند جناب وائسرائے کے اعلان کے مطابق گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا مجوزہ فیڈریشن سرِدست ملتوی ہو گیا ہے لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اس سے ہندوستان کے سیاست پر زیادہ اثر نہیں پڑا۔ کیونکہ مسلمانوں کا جہادِ آزادی صرف برطانوی سامراج ہی کے خلاف نہیں بلکہ ہندو اکثریت کے اس غلبے کے خلاف بھی ہے جس سے مسلمانوں کے سیاسی، اجتماعی، تمدنی اور اقتصادی مفادات خطرے میں پڑ گئے ہیں۔ اور یہ اندیشہ ہے کہ کہیں ان کے حقوق کے ساتھ ان کی قومی ہستی بھی ملیامیٹ نہ ہو جائے۔ یہ اندرونی کش مکش اس خارجی کش مکش سے بھی زیادہ اہم ہے جس کا مقصود برطانیہ کے حلقۂ غلامی سے استخلاص ہے اسلامیانِ ہند کو کوئی ایسا آئینی نظام مطمئن نہیں کر سکتا جو انہیں ہندو اکثریت کے استبداد کا شکار بنا دے اور آہستہ آہستہ ان کے قومی مفادات میں ریشہ دوانی کرتے ہوئے انہیں شودروں اور ہریجنوں کی پس ماندہ قوموں میں شامل کر دے۔

ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں نے جب بھی یہ آواز اٹھائی ہے کہ ہندوؤں کے ہاتھوں اسلامی السنہ تہذیب و تمدن اور سیاسی و اقتصادی مفادات خطرے میں ہیں تو کانگریسی حلقوں کی طرف سے یہی جواب موصول ہوا ہے کہ یہ تمام خیالات بے بنیاد ہیں۔ سیاسیات کا مذہب کے ساتھ کوئی سروکار نہیں ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہذیب و تمدن میں کوئی فرق نہیں اور ان دونوں قوموں کے امتزاج و ائتلاف سے مسلمانوں کو سیاسی یا اقتصادی حیثیت سے نقصان پہنچنے کا کوئی احتمال نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قومیت پرست حضرات کا یہ دعوےٰ کس حد تک درست ہے۔ اس مضمون میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

سب سے پہلے مذہب کو لیجئے اس کی نوعیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مذہب صرف مظاہر و رسوم

کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ زندگی اور فطرت کی طرف ایک خاص میلان ہے۔ اگر یہ میلان نیٹشے کے الفاظ میں ایک "ابدی لبیک" ہو تو ہم اسے ایک رجائی مذہب قرار دیں گے۔ ایسے مذاہب میں انسان ان تمام امور میں دلچسپی لیتا ہوا نظر آئے گا جو اس کی حیات طبیعی کے لیے مفید ثابت ہوں۔ چنانچہ قدیم آریاؤں کو جو اس مسلک کے حامی تھے مظاہر فطرت۔ مادی مشاغل عقلیات اور حسی امور کے ساتھ بے حد لگاؤ تھا۔ ان کے نزدیک زندگی انسان کے حق میں قدرت کا سب سے بڑا عطیہ تھی اور وہ طرب کدۂ حیات سے بقدر ذوق نشاط اندوز ہونے کے خواہاں تھے۔ غالب نے اسی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ؎

بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالب
چشم کو چاہیئے ہر رنگ میں وا ہو جانے

اور یہ کہ ؎

نہیں گر سر و برگِ ادراکِ معنے
تماشائے نیرنگ صورت سلامت

اس کے برعکس دوسری قسم کے مذاہب کی روح انکار ہے۔ ان میں روح اور مادہ کو ایک دوسرے کے رقیب قرار دیتے ہوئے مادہ کو فاسد اور روح کو پاکیزہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے ان کی رو سے انسانی فطرت کی بلندی اس ذہنی اور عملی نردان پر موقوف ہے جو تمام انسانی ملکات اور حواس کی نفی سے حاصل ہوتا ہے

یہ ان دو نقاطِ نظر ہی کا تضاد ہے جو روح اور مادہ۔ حقیقت اور مجاز۔ باطنیت اور انسانیت۔ لاہوت اور ناسوت اور نفی و اثبات کے امتیاز میں ظاہر ہوا ہے۔ پہلی قسم کے مذاہب میں علم و حکمت۔ دنیوی کاروبار جسمانی تربیت۔ انفرادی نشو و نما اور ارتقائے تمدن کو فطری مشاغل قرار دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ ان میں شدت نہ برتی جائے۔ اور دوسری قسم کے مذاہب میں نفی خودی۔ تجرد۔ یوگ اور فنا کو زندگی کا منتہی قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ پہلی قسم کے مذاہب کی روح یونان کی طبیعت اور مجوسیوں کی فطرت پرستی میں آشکارا ہوئی اور دوسری قسم کے مذاہب نے مانویت، یہودیت۔ نصرانیت۔ ہندومت۔ بدھ مت۔ جین مت اور تصوف کا رنگ اختیار کیا۔ ذوقِ تماشا، ذوق عمل اور ذوق حیات ایک طرف اور ترک دنیا۔ ترک خودی اور ترکِ

آرزو دوسری طرف ۔ دونوں قسم کے میلانات کی نمایاں خصوصیات رہیں ۔ ایک مغربی مفکر نکولس نے درست کہا ہے کہ نصرانیت اور دیگر تجریدی مذہبوں میں جسم اور اس کے متعلقات کو روح کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے ۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جن جن زمانوں میں ان مذاہب کی تعلیم پر پورا پورا عمل کیا گیا ہے ان میں تہذیب و تمدن کی نشو و نما کے لئے مطلقاً کوئی گنجائش نہ رہی ۔ اور انہیں تاریخ میں "ازمنۂ مظلمہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے ان کی بے آمیز باطنیت انفرادی اور اجتماعی نشو و نما کے لئے ناسازگار ہے ۔ ان مذاہب کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ اس شدید باطنیت کو قومی ترقی کا سنگ بنیاد قرار دیتے ہیں ۔ ہیگل کے الفاظ میں نوع انسان کی ترقی صرف خارجیت Out wardness پر موقوف ہے اور داخلیت صرف ایک موہوم باطنی تسلی کا باعث ہو سکتی ہے ۔ یہاں تک کہ جدید باطنیت بھی جس کے نمائندہ بھگت کبیر ، ٹیگور اور مسز اینی بسنٹ ہیں ان عناصر کی حامل نہیں جس سے تہذیب و تمدن کو نشو و نما حاصل ہو ۔ اگر ان مذاہب کے پیروؤں میں ثقافت کے آثار نظر آئیں تو اسے باطنی قوت کا ثمر نہیں بلکہ نفی و انکار کے معتقد ہونے کے باوجود دنیوی امور میں انہماک پیدا کرنے کا نتیجہ خیال کرنا چاہیئے ۔

اسلام میں طبیعت اور اشراق دونوں مشرب شیر و شکر ہو گئے ہیں ۔ اس میں دنیاداری اور خداپرستی حقوق العباد اور حقوق اللہ ۔ رجائیت اور قنوطیت ۔ مادیت اور روحانیت کے مناسب حدود قائم کئے گئے ہیں ۔ اور ان کے امتزاج سے اعتدال پسندی کا وہ زریں مسلک پیدا کیا ہے جسے گوئٹے نے یونان کی کلاسکیت اور اقوام مغرب کی جدید رومانوی اسپرٹ کا مجموعہ قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ جرمنی کا یہ مایۂ ناز مفکر اسلام اور اس کے بانی کا اس قدر مداح تھا ۔ اور وہ قرآن مجید کو تمام دینی و دنیوی ترقیوں کا سرچشمہ خیال کرتا تھا ۔ کولرج ۔ کارلائل ۔ راڈویل ۔ مارگولیتھ ۔ جارج سیل ۔ ولیم میور ۔ برنرڈشا ۔ ایچ جی ویلز اور دیگر مغربی مصنفوں نے اسلام کو "یہودیت اور نصرانیت کی دوغلی صورت" قرار دینے میں فاش غلطی کی ہے کیونکہ اسلام دراصل مسیحیت کے تجریدی مسلک کے خلاف ایک کھلی ہوئی بغاوت ہے ۔ اس نکتہ کی توضیح کرتے ہوئے علامہ اقبال رح نے "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" میں فرمایا ہے کہ اسلام نہ صرف اپنے پیروؤں کو باطنی نشو و نما کی تعلیم دیتا ہے بلکہ اس بات کی تلقین بھی کرتا ہے کہ وہ دنیائے آب و گل کے ہنگاموں میں شریک ہوں ۔

یہی رجائی مسلک ہے جو نوع انسان کی تاریخ میں بار بار تہذیب و تمدن کے فروغ کا باعث ہوا ہے۔ چنانچہ بابل کے قدیم سُمیری۔ کلدانی اشوری تمدن اور ان کے بعد لیڈیائی۔ ایرانی۔ یونانی اور رومی تمدن اسی حیات افروز مسلک کے مختلف مظاہر ہیں۔ یہی مسلک ہے جس نے صدہا سال تک ایران کو تہذیب و تمدن کا گھر بنائے رکھا اور اسکے زوال پر عرب کے عظیم الشان تمدنی اور سیاسی کارناموں میں جلوہ گر ہوا یہی نہیں بلکہ دانتے کے زمانہ کی نشاۃ اولی اور یورپ کی نشاۃ ثانیہ جو سراسر بغداد۔ قاہرہ اور قرطبہ کی اسلامی یونیورسٹیوں کے فیضان علم کا نتیجہ ہیں۔ اسی مسلک کی آئینہ دار ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یورپ کی تمام جدید سیاسی اور تمدنی تحریکات اسلام ہی کی شرمندۂ احسان ہیں۔ اصلاح مذہب۔ انقلاب فرانس۔ صنعتی انقلاب اور رومانوی تحریک اسی میلان کے بوقلموں مظاہر ہیں۔ والٹیر۔ روسو۔ گوئٹے۔ نیٹشے اور کارل مارکس اسی انقلابی روح سے سرشار تھے۔ اور پندرھویں صدی عیسوی سے لے کر انیسوی صدی تک انگلستان کے اکثر ممتاز ارباب قلم یعنی چاسر۔ مارلو۔ جانسن۔ بیکن۔ شیکسپیر۔ کارلائل اور براؤننگ نصرانیت کے حلقہ بگوش ہونے کے باوجود ذہنی اعتبار سے انسانیت کی طرف مائل تھے۔ گویا یورپ کی جدید تاریخ ایک بدلے ہوئے نام کے ساتھ اسلام ہی کی تاریخ ہے۔ اور اقبالؒ نے اپنے خطبات میں درست فرمایا ہے کہ مغرب کا تہذیب و تمدن اسلام ہی کی تعقل پرستی اور معارف پروری کا ثمر ہے۔ اس میں یونانی ابتہاج بھی ہے اور عبرانی انفعالیت بھی۔ آریائیت بھی ہے اور سامیت بھی۔ حقیقت بھی ہے اور مجاز بھی۔ لاہوتیت بھی ہے۔ اور ناسوتیت بھی۔

اگر اسلام ہندوستان میں اس رجائی عنصر کو لے کر داخل ہوتا تو اس ملک کی تاریخ بالکل یورپ کی تاریخ کے مشابہ ہوتی۔ لیکن یہ بیج اس دیس میں بنجر زمین پر گرا اور ضائع ہو گیا۔ بلکہ ہندوستان پہنچنے سے پہلے ہی ایران میں حکیم افلاطون اور پلوٹینس کے عقیدۂ فنا اور عجمی تصوف کا تجریدی اثر اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا تھا۔ اس لئے اس میں پہلی سی قوت نمو باقی نہ رہی۔ جب یہ ہندوستان میں داخل ہوا تو اس میں نہ وہ جمہوریت تھی جس نے روسو کو رسولؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو ڈرامہ کے پیرایہ میں ڈھالنے کی تحریک دلائی تھی اور

نہ وہ انفرادیت تھی جسے سیمول جیکر۔ ڈی کارٹس۔ لائبنز۔ برگسان اور میک ٹیگرٹ نے فلسفۂ خودی کا سنگ بنیاد قرار دیا ہے۔ اب اس پر تجرد کا اثر غالب آچکا تھا۔ جسے ایران کی آب و ہوا کیسا تھ ایک خاص مناسبت ہے۔ ہندوستان میں اس کا ملاپ یوگ اور تپسیہ سے پڑا جو اسکے بالکل ہم رنگ تھے۔

اس طرح اسلام کے زیادہ اہم اثباتی عنصر کو ہندو مذہب پر اثر انداز ہونے کا موقع نہ ملا۔ اور ان دونوں کا اختلاط اسلامی توحید۔ مساوات اور یوگ دھیان تک ہی محدود رہا اس امتزاج سے بھگتی سکھ مت اور دین الٰہی پیدا ہوئے جنہوں نے مذہبی۔ سیاسی اور اجتماعی عقدوں کو سلجھانے کی بجائے اور بھی پیچیدہ بنا دیا۔ تاہم مسلمانوں کے تحت الشعور میں اسلام کے طبعی عنصر اور وحدانیت کا احساس باقی رہا اور وہ رسم و رواج میں ہندوؤں کے ہم وضع ہونے کے باوجود ان سے علیحدہ رہے۔

یہی وجہ ہے کہ انہیں متحد کرنے کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ بھگتی کی تحریک۔ کبیر پنتھ۔ سکھ مت۔ دین الٰہی اور موجودہ زمانہ میں ۱۹۱۹ء کی سیاسی تحریک ہندو مسلم اتحاد کی وہ ناکام کوششیں ہیں جن سے انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مذہبوں کے بنیادی فرق نے جو توحید اور بت پرستی جمہوریت اور ذات پات کی تقسیم۔ خارجیت اور باطنیت۔ عقلیت اور توہم پرستی جیسے متضاد عناصر پر مبنی ہے ہندوؤں اور مسلمانوں کی ذہنیت میں بعد المشرقین پیدا کر دیا ہے۔ اور وہ تمدنی امور میں سطحی مشابہتوں کے باوجود ایک دوسرے سے کوسوں دور ہیں۔ جب ہندوؤں کا سب سے بڑا نمائندہ مہاتما گاندھی سیاسیات ہند کو ایک خاص فلسفۂ حیات کے ماتحت رکھنا چاہتا ہے جو ہماری توضیحات کے مطابق زندگی کی طرف ایک خاص میلان ہے تو پھر مسلمان ایک اثباتی مشرب کے پیرو ہونے کی حیثیت سے کس طرح کانگریس کی قیادت کو قبول کر سکتے ہیں۔

غرض جہاں تک عقائد۔ افتاد طبیعت اور زندگی کی طرف میلان کا تعلق ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کے امکانات نہایت بعید ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہندو مت اور اسلام میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ہندو تمدن اور مغربی تمدن میں ہے علاوہ ازیں اسلام محض عقائد ہی کا مجموعہ نہیں جس کا زندگی سے کوئی سروکار نہ ہو۔ کیونکہ اسلامی معاشرت اور سیاسیات تمام تر عقائد پر مبنی

ہیں جن کی تشریح قرآن مجید میں کی گئی ہے۔ ایک مسلمان جو صحیح معنوں میں اسلام کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کسی ملک یا نسل سے وابستہ نہیں۔ وہ جغرافی حدود اور نسل و قوم کی قیود سے بالاتر ہے۔ وہ ترک۔ ایرانی مصری افغانی اور ہندوستانی ہونے سے پہلے ایک مسلمان ہے اور وطنیت کی چاردیواری میں محصور نہیں ہو سکتا وہ ایک خاص پیغام کا علمبردار ہے اور اس کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ اس پیغام کی تمام دنیا میں نشر و اشاعت کرے۔ وہ بیک وقت اعلائے کلمۃ الحق اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ مداہنت و مسامحت کا حامی نہیں ہو سکتا۔ ان امور سے ظاہر ہے کہ اسلام ایک مستقل اعلان جنگ ہے۔ اور اسکے پیرو کسی طرح دوسری ہمسایہ قوموں کے ساتھ ایسی مفاہمت نہیں کر سکتے جو انہیں اس نصب العین سے دور لے جائے جو ان کے لئے وجہ امتیاز ہے۔ اور اگر وہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر کوئی ایسی مفاہمت کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ظاہر اطور پر اپنے مذہب کے حامی لیکن درحقیقت اسکے خلاف ہیں)۔

ہندو بھی مسلمانوں سے کم راسخ العقیدہ نہیں۔ جیسا کہ مہاتما گاندھی۔ پنڈت مدن موہن مالویہ۔ ڈاکٹر مونجے۔ ساورکر اور بھائی پرمانند کی سرگرمیوں سے بخوبی ظاہر ہے وہ سرتا پا ہندو دھرم۔ ویدوں اور شاستروں میں غرق ہیں۔ اور اپنی سماج کو پراچین ہندو تہذیب کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ وہ ظاہر اطور پر دنیوی مشاغل میں حصہ لیتے ہیں لیکن ان کے ادب۔ مصوری۔ موسیقی اور عمارات ہر بات میں ویدانت کی تیاگی روح کا غلبہ نظر آتا ہے۔ جب مہاتما گاندھی آئے دن مغربی تہذیب کی مذمت کرتے ہیں تو اسکی وجہ وہی خالص "آتمائیت" ہے جس میں مادہ کا خفیف سا جزو بھی معیوب خیال کیا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے لئے ہن سیتھین اور دیگر لاتعداد قوموں کو اپنے اندر جذب کر لینا آسان تھا کیونکہ یہ لوگ کسی ترقی یافتہ مذہب سے وابستہ نہ تھے۔ لیکن مسلمان اپنے ساتھ زندگی کے متعلق ایک خاص تصور اور آداب و رسوم لے کر آئے تھے۔ اس لئے انہیں ہندو جاتی میں جذب کر لینا بعید از امکان تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو نے مسلمانوں سے علیحدہ رہنے کے

لئے چھوت چھات کے دامن میں پناہ لی اور ان کے ساتھ معاشرتی اور اقتصادی حیثیت سے قطع تعلق کر دیا۔ یہ عدم تعاون اس قدر کامیاب ثابت ہوا کہ صدہا سال ہندو مسلمانوں سے تمام فوائد حاصل کرتے رہے لیکن مسلمان ان سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ یہ غیریت جو ہندوؤں کے حق میں مفید اور مسلمانوں کے حق میں نقصان دہ ہے آج بھی ایک وسیع خلیج بن کر دونوں قوموں کے مابین حائل ہے۔

ہمارے کانگریسی دوست بار بار کہتے ہیں کہ مذہب ایک نج کی چیز ہے۔ مگر ہم نے سطور بالا میں مذہب کی جو کیفیت بیان کی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب ایک نج کی چیز نہیں بلکہ یہ ایک ایسا سانچہ ہے جس میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی ڈھلتی ہے اسلئے اسے عملی مسائل سے الگ رکھنے کا دعوے کرنا ایک کھلی ہوئی حقیقت سے اغماض ہے۔ اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے۔ اس قسم کا عقیدہ یکسر غیر اسلامی ہے پھر اس حقیقت پر بھی غور کیجیے کہ اگرچہ تمام مذاہب راستبازی کی تعلیم دیتے ہیں پھر بھی انکے اخلاقی تصور میں بے انتہا فرق پایا جاتا ہے ہندوؤں میں قریبی رشتہ داروں کے مابین شادی جائز نہیں لیکن مسلمان اسے جائز خیال کرتے ہیں۔ ہندوؤں میں شادی ایک دائمی اور مقدس رشتہ ہے مسلمانوں کے نزدیک یہ محض ایک معاہدہ ہے ہندو اہنسا کو اخلاقیات کا معراج کبریٰ جانتا ہے۔ لیکن مسلمان حق کی خاطر مرنے اور مارنے میں ہی راز زندگی سمجھتا ہے۔ آریوں میں نیوگ کا رواج ہے اور دوسری قومیں اسے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتیں۔ صوبجات متوسط میں ناکتخدا لڑکی کی وفات پر کریا کرم کے سلسلہ میں مباشرت بعد از مرگ ایک فرض موکدہ ہے اور دوسری قومیں اسے ایک بہیمانہ رسم خیال کرتی ہیں[1]۔ غرض ہندو نہایت اطمینان سے سود کا کاروبار کرتا ہے لیکن مسلمان اسے حرام جانتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ "ہندوؤں کا ایشور" جن باتوں کو پسند کرتا ہے انہیں "مسلمانوں کا خدا" اخلاق کے منافی خیال کرتا ہے۔ اس لئے مذاہب عالم میں صنعت باری اور خوب و زشت کے متعلق جو مشابہت پائی جاتی ہے وہ سطحی باتوں تک محدود ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے اخلاقی اصولوں میں کوئی مناسبت نہیں۔ ان کے اصولی اور فروعی اختلافات ان میں بہت بڑی غیریت پیدا کر دیتے ہیں اگر وہ ان اختلافات کے

---

[1] ہم اس امر کی تحقیق نہیں کر سکے۔ لیکن توہم پرست لوگوں سے یہ کچھ بعید نہیں۔ طلوع اسلام

باوجود ایک قوم کی زندگی بسر کریں تو اس کا نتیجہ دائمی کشمکش کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ کیونکہ جو بات ایک کے لئے مفید ہوگی وہ دوسری کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی۔

ہندوستان کے بعض مفکروں کی یہ رائے ہے۔ کہ جب ہندوستان کی تمام سیاسی مشکلات کا سبب مذہب ہے تو پھر فتنہ و فساد کی اس جڑ ہی کو کاٹ کر ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد کیوں نہ ڈالی جائے اس کا جواب یہ ہے کہ قومیں اپنی قدیم روایات سے اس قدر مانوس ہوتی ہیں کہ خواہ ان کے سر پہ قیامت گزر جائے وہ انہیں ترک کرنے پر تیار نہیں ہوتیں اور جس چیز کو ہم انقلاب خیال کرتے ہیں۔ دراصل ایک سطحی تغیر ہوتا ہے۔ اس خیال کی بنا بر نیٹشے نے "رجعت مدام" کا نظریہ پیش کیا جس کی تائید ڈبلیو جے پیری کے "نظریۂ ترجیع" اور برگسان کے "نامیاتی ارتقا" سے ہوتی ہے۔ اس لئے ہندوستان کے مفکر جدید تعلیم سے جن انقلابی اثرات کی توقع رکھتے ہیں وہ محض ایک فریب ہے جدید تعلیم نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے بعض طبقوں میں سرسری تبدیلی پیدا کر دی ہے لیکن ان کی فطرت بدستور قدیم روایات کی طرف مائل ہے۔ ہندو سنیاس کو کرم پر ترجیح دیتے ہیں۔ مسلمان رہبانیت کی بجائے عمل سے مانوس ہیں۔ ہندو اپنے قدیم تمدن اور مسلمان اسلامی تمدن کو فروغ دینے کے خواہاں ہیں۔ اسلئے ان دونوں کا تصادم ناگزیر ہے۔

کیا موجودہ حالات میں اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونا ممکن ہے؟ یہ سوال مسلمانوں کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ نہ صرف ان کی نجات اخروی بلکہ سرے سے ان کا مسلمان ہونا ہی احکام شریعت کی پابندی پر موقوف ہے۔ یہ ایک صریح بات ہے کہ جب تک کوئی شخص اقرار باللسان و تصدیقاً بالقلب کے علاوہ احکام شریعت پر عمل پیرا نہ ہو وہ صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں۔ کیونکہ اگر ہم صراط مستقیم یعنی اسلامی عقائد سے ذرا بھی منحرف ہوں تو ہم صاحب ایمان نہیں کہلا سکتے۔ ہمارا فلسفۂ حیات۔ زندگی کا نظام۔ طرز حکومت اور دستور و آئین بالکل شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ ہم اسکے بعض حصوں پر عمل کریں اور بعض کو فروعی خیال کرتے ہوئے ترک کر دیں۔ کیونکہ ہر نظام ایک کل سے مشابہت

رکھتا ہے۔ اگر اس کل کے بعض پرزے کام نہ کریں تو اس میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے شریعت میں معمولی باتیں بھی وہی اہمیت رکھتی ہیں جو بڑی باتوں کو حاصل ہے ہر وہ جذبہ یا عمل جو ہمیں توحید کے راستے سے دور لے جاتا ہے ایک طرح کی بت پرستی ہے۔ اس لئے سیاسی فریب تفرقہ پردازی۔ غیر اسلامی نصب العین (مثلاً وطنیت) کی حمایت اور اس قسم کے دیگر امیال و عواطف اور اعمال و افعال شرک خفی کے مترادف ہیں اور جو شخص ان کی طرف مائل ہو وہ صرف "بعض امور میں" شریعت اور ملت اسلامیہ سے اختلاف ہی نہیں کرتا بلکہ شریعت حقہ کے ان پرزوں کو "غیر ضروری" قرار دیکر یومنون ببعض الکتاب و یکفرون ببعض کا عملی مرتکب ہوتا ہے۔

موجودہ حالات میں ہم لوگ کس حد تک تعلیمات قرآنی پر عامل ہیں۔ بہ الفاظ دیگر ہم کس حد تک مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں! اگر آج کوئی مسلمان اسلام کے اوامر و نواہی پر عمل پیرا نہ ہو۔ اگر وہ سیأت کا ارتکاب کرے۔ اگر وہ زندیقانہ اور ملحدانہ عقائد کا اظہار کرے۔ اور اسلامی دستور و آئین کی بجائے ہندو یا رواجی قانون کا پابند ہو یا غیر اسلامی نظریات کو اپنی زندگی کا قانون بنا لے تو ہم ان امور کا کوئی سد باب نہیں کر سکتے۔ اگر ہم بیت المال قائم کریں تو ہمارے پاس اخلاقی اثر کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں جس سے آئینی طور پر زکواۃ وصول کی جا سکے اور اگر ہم مذہبی مقاصد کے لئے امیر شریعت منتخب کریں تو وہ خود محکوم ہونے کی وجہ سے احکام مذہب پر عمل پیرا ہونے سے قاصر ہوگا چہ جائیکہ وہ دوسروں کو اس پر کاربند ہونے کا حکم دے۔

غرض بحالات موجودہ ہمارے لئے احکام شریعت پر عمل پیرا ہونا ناممکنات سے ہے۔ اور ہم صرف اس بات سے مطمئن ہیں کہ ہمیں ظاہرا طور پر مذہبی آزادی حاصل ہے۔ ہماری نگاہیں ان مخفی اثرات کو محسوس نہیں کرتیں جو چپکے ہی چپکے اسلامی شریعت کی جڑ کاٹ رہی ہیں۔ اور جنکی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان محض برائے نام مسلمان رہ گئے ہیں۔ ہمارے علماً نے گوناگوں تاویلوں سے اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ غالباً جب وہ کسی شخص کو مورد تکفیر کرتے ہیں تو وہ یہ محسوس نہیں کرتے کہ بندہ مومن کی تعریف کے مطابق اجتماعی حیثیت سے خود انکا

مسلمان ہونا محلِ نظر ہے۔

یہی صورت حالات اس وقت بھی قائم رہے گی جب مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ حکومت قائم کریں گے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی وہ اس فرض کی بجا آوری سے قاصر ہوں گے کہ وہ اسلام کی تمام دنیا میں نشر و اشاعت کریں یا اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کریں۔ انکی "مذہبی آزادی" نماز۔ روزہ تک ہی محدود ہوگی اور نظامِ زندگی ملک کا قانون ہوگا۔

جب دو قومیں ہر لحاظ سے مخالف سمتوں میں جارہی ہوں اور ان کا ایک ساتھ رہنا دونوں کے لئے مضر ہو تو وہ اپنے طبعی میلان کے مطابق نشو و نما نہیں کرسکتیں۔ اور ان کے دل میں ایک دوسرے کے خلاف رنج۔ نفرت اور کدورت پیدا ہو جاتی ہے جس کا واحد علاج علیحدگی ہے۔ بالخصوص مسلمانوں کو ہندو اکثریت کے ہتھکنڈوں سے بچنے کے لئے ایک علیحدہ علاقہ کی ضرورت ہے جو ان کی ترقی کے لئے ایک سازگار فضا پیدا کرے۔

قومیت پرست حضرات کو اس امر سے انکار ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیبیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ خیال تہذیب و تمدن کی حقیقی نوعیت سے بے خبری ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ مذہبی عقائد ہماری ذہنیت کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔ ہمارے روزمرہ مشاغل۔ عادات و فضائل اور کاروبار سب کے سب ایک خاص وضع پیدا کر لیتے ہیں اور گو بظاہر دو تہذیبوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا پھر بھی ان میں باہمی کشمکش کی ہزارہا مخفی صورتیں موجود ہوتی ہیں۔

ہمیں تہذیب کی اس تعریف کو صحیح تسلیم کرنے میں کوئی اعتراض نہیں کہ یہ وحشت کی حالت سے ابھرنے کا نام ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے وحشت کی سطح سے بلند ہونے کا انداز ایک ہی ہے۔ یہ غلط فہمی صرف دونوں قوموں کے ایک جگہ بود و باش رکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ دونوں میں تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بعد المشرقین ہے۔ مہذب ہونے میں یونانی۔ رومن۔ فرنگی۔ ہندو۔ مسلمان اور سکھ سب یکساں ہیں۔ مگر ان

کی معاشرت - عادات - اور ذہنیت میں کس قدر فرق ہے - اگر ان میں کوئی اور فرق نہ ہو تو بھی جداگانہ معاشرت اختلاف طبیعت اور زندگی کے متعلق زاویہ نگاہ کا فرق اس قدر شدید ہے کہ دونوں قوموں میں وہ انس نہیں پیدا ہو سکتا جو ان کے اتحاد کے لئے ضروری ہے -

اس میں شک نہیں کہ سطحی اعتبار سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں صرف رہنے سہنے اور کھانے پینے ہی کی باتوں میں فرق ہے - مسلمان مردوں کو دفن کرتے ہیں اور ہندو جلاتے ہیں مسلمان ترکی ٹوپی پہنتے ہیں اور ہندو کھدر کی ٹوپی مسلمان گوشت کھاتے ہیں اور ہندو سبزی - لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان دونوں کی تہذیبیں ایک ہی ہیں - لباس اور غذا کی سطحی مخالفت یا مشابہت اس قدر اہم نہیں

- اگر ہم اس استدلال سے کام لیں کہ تمام قوموں کے افراد ایک جیسے کان - ناک - آنکھیں ہاتھ - پاؤں - دل دماغ اور جگر رکھتے ہیں یا ان کے لباس اور غذا میں معمولی فرق پایا جاتا ہے - تو مصری - کلدانی - ایرانی - یونانی - رومن - اسلامی اور فرنگی تمدن میں بھی کوئی فرق باقی نہیں رہتا - حالانکہ ان کا فرق اظہر من الشمس ہے - اصل یہ ہے کہ تہذیب و تمدن ان مشاغل - عقائد اور رسوم و آداب کا مجموعہ ہوتے ہیں جو کوئی قوم اختیار کرتی ہے - اس کے فطری میلان سے جو طور و طریق - رسم و رواج اور عادات و خصائل پیدا ہوتے ہیں وہ دوسری قوموں کے طریق بود و باش اور طبعی میلانات سے بہت کم مشابہت رکھتے ہیں اور جن امور میں تھوڑی بہت مشابہت نظر آتی ہے وہ بھی عملی نتائج میں بہت فرق پیدا کر دیتے ہیں -

امور بالا کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہم جس محکم نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ لامحالہ یہی ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا اختلاف کوئی سطحی اختلاف نہیں کہ اسے چند ریزولیشن مٹا سکتے ہیں - بلکہ یہ اختلاف زندگی کے متعلق اس زاویۂ نگاہ کا اختلاف ہے جسکی بنیاد ان کے مذہب پر ہے - اس لئے یہ اختلاف کبھی مٹائے نہیں مٹ سکتا تا آنکہ (خدا نکردہ) ہندوؤں کی وہ کوششیں برومند ہو جائیں جو انکی طرف سے مختلف سیاسی تحریکات کی شکل میں رونما ہوتی رہتی ہیں -

اور اگر وہ کوششیں بار آور ہو جائیں تو اس اختلاف کے ساتھ ہی مسلمانوں کی ملی ہستی بھی ہندوستان سے مٹ جائیگی۔ لہذا مسلمانوں کے لئے یہ مسئلہ کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اور ہندوستان کے احوال وظروف کے پیش نظر جہاں تک ہم اس پر غور کر سکتے ہیں۔ اسکے سوا اس کا کوئی حل نہیں کہ مسلمان اس خطہ ارض کو ہندوستان سے الگ کر لیں جہاں یہ اسلامی آئین و دستور کے مطابق حکومت قائم کر سکتے ہیں۔

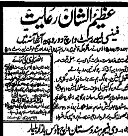

حقائق و عبر

(۱) انوکھی آزادی!

کانگریس کے اربابِ حل و عقد کے نزدیک ہندوستانی مشکلات کا واحد علاج اب کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کے چشمۂ حیواں میں مضمر ہے۔ چنانچہ کانگریس کی مجلسِ عاملہ (منعقدہ وار دھا) نے اس باب میں ایک تجویز بھی منظور کر دی ہے اور اسکے ساتھ ہی مقامی کانگریس کمیٹیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ حسبِ معمول "یوم آزادی" منائیں اور اس میں مکمل آزادی کا ریزولیوشن بھی پاس کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی اور مکمل آزادی میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن دیکھئے کہ انہی حضرات کے نزدیک کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی سے مقصد کیا ہے اس ضمن میں تمہیداً یہ بتا دینا ضروری ہے کہ کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی سے مفہوم یہ ہوتا ہے۔ کہ جب کسی قوم کو کوئی خاص نظامِ حکومت منظور نہ ہو تو وہ اس نظام کا تختہ اُلٹ کر اس کی جگہ ایک جدید نظام قائم کرنے کے لیے ایک نمائندہ اسمبلی متعین کرتی ہے، اس اسمبلی کا وضع کردہ نظام اس ملک میں رائج کر دیا جاتا ہے، ہندوستان میں اسوقت برطانوی نظامِ حکومت قائم ہے، کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کی تجویز کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس نظام کا تختہ اُلٹ کر حکومتِ برطانیہ کے علی الرّغم اپنا وضع کردہ نظام قائم کر دیا جائے۔ اب سنیئے کہ یہ حضرات کیا فرماتے ہیں۔

مسٹر راجہ گوپال آچاریہ (سابق وزیرِ اعظم مدراس) جو کانگریسی حلقوں میں بڑے معتبر خیال کیے جاتے ہیں ایک اخباری نمائندہ سے اثنائے گفتگو میں فرماتے ہیں۔

"جب انقلاب (ایک نظامِ حکومت کو اُلٹ کر) خلا پیدا کر دیتا ہے، تو اس خلا میں ایک جدید نظامِ سلطنت قائم کیا جا سکتا ہے، لیکن موجودہ صورت حالات ایسی نہیں۔ اور نہ ہی ہم ایسا کرنا چاہتے ہیں"۔

اور سنیئے، فرماتے ہیں :۔

"کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی موجودہ حکومت کی منظوری اور امداد کے بغیر منعقد نہیں ہو سکتی ۔۔۔۔۔۔۔
اور کانگریسی لیڈر اس امر کی کوشش کر رہے ہیں کہ حکومت برطانیہ سے اس باب میں کوئی
سمجھوتہ کیا جائے۔"

اب بڑے میاں (گاندھی جی) کا ارشاد ملاحظہ ہو فرماتے ہیں :۔

"اگر برطانوی حکومت لڑائی کے بعد گول میز کانفرنس منعقد کر سکتی ہے تو وہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی بھی
یقیناً منعقد کر سکتی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی حکومت برطانیہ اور ہمارے درمیان
ایک شریفانہ سمجھوتہ کا نتیجہ ہو گی (انڈی پنڈنٹ انڈیا۔ ۲ 12/39)

مکمل آزادی کے دعوے لب پر اور دلوں میں ارادے یہ!
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے!

ہمیں حیرت ان حضرات کی ابلہ فریبیوں پر نہیں۔ بلکہ حیرت ہے ان فریب خوردگان پر جو اس پر بھی
نہیں سمجھتے کہ ہندوؤں کے اصلی ارادے کیا ہیں۔ اور آزادی کے ریزولیوشن کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

۲۔ بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اُٹھائے نہ بنے

جیسا کہ ہم سابقہ اشاعت میں لکھ چکے ہیں، کانگریس اس وقت کچھ ایسی چوکڑی بھولی ہے کہ سمجھ میں
ہی نہیں آتا کہ اب کیا کرے۔ وزراء کے استعفوں کے بعد دوسرا قدم سول نافرمانی ہو سکتا تھا لیکن ع
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آئے

اب سنیئے کہ کس قسم کے بہانے تراشے جا رہے ہیں، کسان تحریک کے لیڈر پروفیسر رنگا فرماتے ہیں :۔

"ہمیں واقعات کو ایسے ہی تسلیم کر لینا چاہیئے۔ جیسے وہ ہیں۔ اور ہم جو ستیہ گرہ شروع کرنے کے قابل
نہیں ہیں۔ اس کی ذمہ داری مسلم لیگ کے سر تھوپ دینی چاہیئے"

(انڈی پنڈنٹ انڈیا۔ ۲ 12/39)

لیکن مسٹر راجہ گوپال آچاریہ کا ارشاد کچھ اور ہے، وہ ایک تقریر کے دوران میں فرماتے ہیں:-

"چونکہ حکومتِ برطانیہ اب لڑائی کے چنگل میں پھنس چکی ہے، اسلئے ہمیں ستیہ گرہ شروع نہیں کرنا چاہئے جس وقت گزشتہ جنگِ عظیم شروع ہوئی تھی تو مہاتما گاندھی جی نے جنوبی افریقہ میں ستیہ گرہ بند کر دیا تھا اب بھی غالباً مہاتما جی نے یہی خیال کیا ہے کہ موجودہ جنگ اگرچہ ہمسا (تشدد) پر مبنی ہے لیکن چونکہ حق و انصاف کی خاطر لڑی جا رہی ہے، اسلئے یہ وقت سول نافرمانی کے لئے مناسب نہیں ہے"

(ہندوستان ٹائمز مورخہ ۱۲/۹ ۱۲)

میجر سر سکندر حیات خانصاحب کا بھی یہی خیال ہے۔

۳۔ چنگیزی اہمسا سندھ میں مسجد منزل گاہ کے سلسلہ میں مسلمانوں پر اس قدر مظالم ہوئے لیکن کسی مہاتما منش کی رگِ ہمدردی نہ پھڑکی لیکن اسی سندھ سے ہندو جنرل پنچایت کے صدر کا حسب ذیل تار گاندھی جی کے اخبار ہریجن (بابت ۱۲/۹ ۲) میں نہایت نمایاں حیثیت سے شائع ہوتا ہے۔

"فسادات، لوٹ، غنڈا پن۔ ضلع سکھر کے ہندو نہایت بے دردی سے ذبح کئے جا رہے ہیں، عورتیں اور لڑکیاں اغوا ہو رہی ہیں، اور ان کی عصمت دری کی جا رہی ہے، ہندوؤں کی جان و مال خطرہ میں ہیں حکومت کا مسلک محکم نہیں ہے۔ براہ کرم جلدی ایک تحقیقاتی کمیٹی بھیجیے کہ وہ صورتِ حالات کا مطالعہ بچشم خویش کرے"

اس اشتعال انگیز تار کی صداقت کی کوئی تحقیق نہیں کی جاتی۔ اور "مہاتما جی" غم و غصہ میں ایک پورا کالم اسپر لکھ مارتے ہیں، جسکے اخیر میں ہندوؤں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ:-

"اہمسا ایک دن میں نہیں سیکھا جاتا۔ دوسرا طریق وہ ہے جسے دنیا برتتی چلی آ رہی ہے۔ یعنی جان و مال کی حفاظت ہتھیاروں کے ذریعے سے کی جائے۔ خدا انہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ سندھی اس باب میں مستثنیات میں سے نہیں ہیں، انہیں چاہیئے کہ لٹیروں اور حملہ آوروں سے اپنی حفاظت کرنے کا ڈھنگ سیکھیں۔ اور اگر وہ اپنے آپ کو محفوظ نہ پائیں

اور اپنی حفاظت آپ کرنے کی ان میں قوت نہ ہو تو انہیں ایسی جگہ ترک کر دینی چاہیئے جو اُنکے لیئے یوں وبال جان بنگئی ہے۔"

یہ نصیحت ہے اس اہنسا کے اوتار کی جو فرنٹیر کے پٹھانوں کو ہمیشہ تلقین کرتا ہے کہ تلوار کا تصور بھی دل میں لانا گناہ عظیم ہے۔ لیکن وہ نصیحت مسلمانوں کے لیئے ہے، اور یہ نصیحت ہندو کے لیئے۔ اِسی اخبار میں دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ :-

"انگریزوں کا ہندوستانیوں کو غیر مسلح کر دینا۔ انگریزوں کی تاریخ میں ایک سیاہ باب ہے۔"

اللہ رے اہنسا!

۴۔ دین وسیاست

مسلمانوں سے ہمیشہ یہ کہا جاتا ہے کہ مذہب ایک نجی چیز ہے اسے سیاست سے کیا واسطہ؟ لیکن اپنی یہ حالت ہے کہ گاندہی بھی فرماتے ہیں کہ :-

"میرا جذبہ حب الوطنی میرے مذہب کے تابع ہے"

اور یہ مذہب کیا ہے، فرماتے ہیں :-

"میری زندگی اس چیز کے لیئے وقف ہے کہ میں اہنسا کے مذہب کے ذریعے ہندوستان کی خدمت کروں" اور یہی مسلک میرے نزدیک ہندو مذہب کی اصل ہے" (فارورڈ بلاک ۱۲/۳۹ء)

گاندہی جی تو اپنے مشرب ومسلک سے ہندومت کی نشر واشاعت کر رہے ہیں۔ اب پوچھیے ہمارے مسلم قومیت پرست حضرات سے کہ وہ گاندہی جی کے مسلک کے اتباع سے کس اِسلام کی خدمت کر رہے ہیں!

۵۔ حقیقی نمائندے جب روس نے فنلینڈ پر حملہ کیا تو مفتوحہ علاقہ کے باشندوں میں سے اپنی مرضی کے مطابق کچھ نمائندے منتخب کر کے ان کی ایک حکومت قائم کر دی، اس کے بعد اعلان کر دیا کہ

ہم فنلینڈ کی حکومت سے مفاہمت کے لیے تیار ہیں۔ لیکن اُس حکومت سے نہیں جو وہاں پہلے سے موجود تھی۔ بلکہ اِس جدید حکومت سے کیونکہ فنلینڈ کی حقیقی نمائندہ یہی حکومت ہے۔

ہمیں اِس سے معاً اپنے مسلم قومیت پرست بھائی یاد آگئے۔ کانگریس انھیں بھی مسلمانوں کا حقیقی نمائندہ قرار دیتی ہے، ایسے ہی جیسے روس نے فنلینڈ کی جدید حکومت کو قرار دیا تھا!

اِس عہد کے ستم ظریفوں کا بھی کیا ٹھکانا ہے!!

۶۔ سماءِ لندن کی تازہ وحی انگریز کے ہندو کے ساتھ کیسے ہی تعلقات کیوں نہ ہوں لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ کبھی مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا۔ (اور مسلمان کا دوست کون ہو سکتا ہے؟) چنانچہ لارڈ زٹلینڈ جو بظاہر کانگریس کے بڑے مخالف بنتے ہیں، اپنی ایک تازہ تقریر میں فرماتے ہیں:۔

"مجھے یقین ہے کہ جب تک ہندوستان کی، مجالسِ توانین ساز کی تقسیم سیاسی خطوط کے بجائے فرقہ وارانہ (مذہبی) خطوط کے اعتبار سے ہوگی۔ اسوقت تک جمہوری نظامِ حکومت کی کامیابی میں سخت مشکلات کا سامنا ہوگا۔ ہمارا منتہائے نگاہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں جیسے ماتحت اِن مجالس کا ایک ممبر اپنے آپ کو پہلے ہندوستانی سمجھے اور اس کے بعد ہندو یا مسلمان! جب یہ بات پیدا ہو جائے تو پھر سمجھیے کہ ہندوستان کی ترقی کے راستہ میں جو سنگِ گراں حائل ہے وہ دُور ہو جائے گا" (ہندوستان ٹائمز $\frac{12}{39}$ ۵)

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے!!

۷۔ کچھو مر ایک صاحب ہیں "حضرت مقبول احمد پوری"۔ انھیں ہندی میں "شاعری کرنے" کا شوق ہے۔ خیر۔ خیال اپنا اپنا پسند اپنی اپنی۔ لیکن کچھ عرصے سے اُنکے سر پر ایک اور جنون سوار ہوا ہے اور وہ حضرت علامہ اقبالؒ کے فارسی قطعات اور نظموں کا ہندی میں منظوم ترجمہ کرتے ہیں۔ اُنکے ترجموں سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ صاحب حضرت علامہؒ کے کلام کو سمجھتے ہی نہیں۔ اور اگر سمجھتے ہیں تو ہندی زبان اس قدر بے مایہ ہے

کہ وہ صحیح مفہوم کی ادائیگی کی اہلیت ہی اپنے اندر نہیں رکھتی۔ بہرحال سبب کچھ بھی ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ صاحب حضرتِ علامہؒ کے کلام کا جس بیدردی سے کچومر نکالتے ہیں، وہ اپنی نظیر آپ ہے، مثال کے طور پر دسمبر کا ھمایوں اُٹھایئے۔ میلادِ آدم حضرت علامہؒ کی ایک نہایت پرشکوہ نظم ہے۔ اسکا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے ارشاد ہے:۔

۱۔نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد	پریت نے آہ بھری سینے میں خون کا رونے والا آیا
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد	کانپ اُٹھی سُندرتا پریم کے بیج کا بونے والا آیا
۲۔فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور	لرز اٹھی یہ دیکھ کے فطرت اس بھولی بسری مٹی سے
خودگرے، خودشکنے، خودنگرے پیدا شد	اپنا سروپ بنانے، توڑنے، کھوجنے، کھونے والا آیا
۳۔خبرے رفت زگردوں بہ شبستانِ ازل	بات پھیلی اکاش میں اور پردے سے ازل کے جا کر بھی
حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد	ڈرتے رہو اے پردہ والو۔ لاج ڈبونے والا آیا
۴۔آرزو بے خبر از خویش بہ آغوشِ حیات	آس نے گودی میں جیون کی آنکھ جو کھولی تو کیا دیکھا
چشم وا کرد و جہانے دگرے پیدا شد	ایک نیا سنسار بسا ہے، کاٹنے بونے والا آیا!

ہم کسی سابقہ اشاعت میں اسی نظم کا اُردو ترجمہ (از علامہ اسلم جیراجپوری) شائع کر چکے ہیں قارئین طلوعِ اسلام اسے بھی سامنے رکھ لیں۔ اور پھر خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ اس ہندی ترجمہ کو کیا کہا جائے ہمیں کارپردازانِ ہمایوں کے حسنِ ذوق کا پورا پورا علم ہے، نہ معلوم وہ کونسی مجبوری ہے جسکے ماتحت وہ حضرت علامہؒ کے کلام کو یوں ذبح ہونے کی اجازت دیدیتے ہیں۔ اور پھر حیرت یہ ہے کہ جناب مدیر ہمایوں جو ترقیٔ اُردو کے ایک سرگرم حامی ہیں (اور جن کی خدمات کی پوری توقیر ہمارے دل میں ہے) ہندی نظموں کی اشاعت سے اُردو کی کیا خدمت مقصود لیتے ہیں، ہمارے خیال میں بہتر ہو کہ اس سلسلہ کو جاری نہ رکھا جائے اسلئے کہ ہندی بچاری کی کیا بساط کہ وہ حضرت علامہؒ کے خیالات کی متحمل ہو سکے اور انکے افکار عالیہ کو ایسی پامال شکل میں پیش کرنا، کچھ اچھا معلوم نہیں دیتا۔

ہم یہاں تک لکھ چکے تھے کہ "زمانہ" بابتہ نومبر کا پرچہ نظر سے گزرا۔ وہاں جناب مقبول احمد پوری صاحب کی مشقِ ناز کا نشانہ حافظِ شیراز کی مشہور غزل ہے۔ نمونتہً دو تین شعر ملاحظہ فرمایئے:۔

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را — بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

پنہہ نگر کے موہن پیارے اب جو کہیں مل جائینگے — ان کے کومل چرنوں پر بنگالہ دیس چڑھائیں گے

بدہ ساقی۔ے باقی کہ در جنت نخواہی یافت — کنارِ آبِ رکنا باد و گلگشتِ مصلےٰ را

ساقی بھر دے پریم کا پیالہ۔ پیانہ جو چھپا ئینگے — سورگ میں پریم کے رس کی بہتی گنگا کہاں لا ئینگے

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند — جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را

یہ اپدیش سنو جی ساجن۔ دہیان دھرا کہ دل سے۔ — شبد بڑے بوڑھوں کے تم کو اُتم گیان سکھا ئینگے

اِس ہندی غزل میں علاوہ ترجمہ کی "خوبیوں" کے ایک چیز اور بھی دلچسپ ہے۔ رسالہ میں اسکا عنوان ہے "حافظِ شیراز کی ایک غزل ہندوستانی زبان میں" جس "ہندستانی" زبان میں اِس غزل کا ترجمہ ہوا ہے (غالباً) مُدیر رسالہ نے ... ضرورت محسوس کی کہ اسکے اکثر الفاظ کے نیچے اردو کے عام فہم الفاظ لکھ دیئے جائیں۔ مثلاً:۔

پنہہ - کومل - سورگ - دھیرج - سُندرتا - سنگیت - ند

محبت نازک جنت قرار حسن و جمال۔ محفل طرب و نغمہ۔ شراب وغیرہ وغیرہ

یہ ہے وہ زبان جسے ہندوستان کی "لنگوا فرینکا" بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں، یہ بھی واضح رہے کہ "زمانہ" صوبہ جاتِ متحدہ سے شائع ہوتا ہے، جہاں ہندی کا بڑا پرچار ہو رہا ہے، اسکے محترم اڈیٹر ایک ہندو ہیں، اور اسکے قارئین کا حلقہ بھی لامحالہ زیادہ ہندو ہی ہوگا۔ بایں ہمہ ضرورت سمجھی گئی کہ اس "ہندوستانی" زبان کے الفاظ کا ترجمہ اُردو میں بھی کر دیا جائے "تاکہ کچھ پلے تو پڑ جائے۔"

نقد و نظر

عہدِ حاضر کے بڑے بڑے لوگ اس کتاب کے چھوٹے چھوٹے حصوں میں جناب محمد مرزا صاحب دہلوی نے دورِ حاضرہ کی سیاسی ممتاز ہستیوں کے حالات دلکشی خوش اسلوبی اور اختصار کے ساتھ بیان کئے ہیں یہ کتابیں بچوں کے لیے بڑی مفید ہیں۔ کیونکہ انکے ذریعہ سے وہ معلوم کر سکتے ہیں کہ لوگ کس طرح چھوٹے سے بڑے بن سکتے ہیں، اس کتاب کے تین حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے حصہ میں ہندوستان کے بڑے لوگوں (مسٹر جناح۔ مولانا محمد علی۔ مہاتما گاندھی اور دیش بندھو داس) کے حالات زندگی درج ہیں۔ دوسرے حصہ میں ایران اور چین کے بڑے لوگوں (رضا شاہ پہلوی اور مارشل چیانگ کائی شک) کے سوانح حیات اور تیسرے حصہ میں عراق و عرب کے بڑے لوگوں (امیر فیصل اور ابن سعود) کے کوائف زندگی۔ ہر حصہ چھوٹی تقطیع کے ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، ٹائیٹل دیدہ زیب۔ کتابت۔ طباعت عمدہ۔ قیمت فی حصہ ۸؍ ملنے کا پتہ:۔ دائرہ ادبیہ۔ دریا گنج۔ دہلی

(اقبال متعلم جماعت ہفتم)

اشتراکیت اور اسلام

ہندوستان کے انقلاب آفرین طبقہ کی کوشش ہے کہ آزاد ہندوستان کا نظامِ حکومت اشتراکیت ہو۔ اِس رسالہ میں اشتراکیت کے اصلی مآخذ سے بتایا گیا ہے کہ اِس نظام کے عناصرِ ترکیبی کیا ہیں؟ اس کے بعد واضح کیا گیا ہے کہ اس نظامِ زندگی کے متعلق اسلام کی تعلیم کیا ہے اور قرآنی نقطۂ خیال سے حقیقی "اشتراکیت" کسے کہتے ہیں۔

قیمت فی نسخہ ۲/۰ ۔ محصول ۱/

کانگریس بے نقاب

کہا یہ جاتا ہے کہ موجودہ تحریکِ آزادی، ایک خالص سیاسی تحریک ہے جسے کسی کے مذہب و تمدن سے کچھ واسطہ نہیں۔ لیکن نقاب اُٹھ جانے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ یہ تحریک خالص ہندوانہ فلسفۂ حیات کی نشر و ترویج کے لیے چلائی جا رہی ہے، اور آپ حیران ہونگے کہ یہ نقاب خود کانگریس کی بڑی بڑی ذمہ دار ہستیوں کے ہاتھوں اُٹھ رہا ہے تفصیل کے لیے یہ پمفلٹ ملاحظہ فرمایئے!

قیمت فی نسخہ ۱/ محصول ۱/

ناظم

طلوعِ اسلام

دہلی

مسلمان کی زندگی

وہ معرکۃ الآرا مضمون جسنے ملّت خوابیدہ کے عروقِ مُردہ
میں خونِ زندگی دوڑایا جسنے بتادیا کہ مسلمان اپنی شاہراہِ
مقصود سے کب ہٹا اور آج اسکا ہر قدم اسے کیوں
منزل سے دُور لیئے جارہا ہے۔ اس رسالہ کی عام اشاعت
کی بے حد ضرورت ہے۔ قیمت فی نسخہ ایک آنہ محصول ۔/

جلد طلب فرمایئے کیونکہ زیادہ تعداد میں موجود نہیں ہے

ناظم

ادارۂ طلوعِ اسلام
دہلی

[illegible] Press, Delhi. Published by Z. A. K. from Tulue Islam Of